بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"حجیّت حدیث"

اطاعتِ رسول

امیر کی حیثیت ——— رسول کا مقام

از

حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ

بھاولپور

تعارف

[حضرت قبلہ سید احمد سعید صاحب کاظمی کا "حجیتِ حدیث" پر مقالہ ایک نہایت جامع اور پُرمغز مقالہ ہے۔ حضرت نے اس مقالے میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو۔ آپ نے معترضین کے تمام اعتراضات اور شبہات کا نہایت متانت سے اور وضاحت سے ازالہ کیا ہے۔ اس مقالے میں ضمناً عصمت انبیاء پر بھی اجمالاً بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ عصمت انبیاء کے عقیدے کے بغیر حدیث کا حجت ہونا بے معنی سی بات رہ جاتی ہے۔ حضرت قبلہ کاظمی صاحب نے "الشیخ والشیخۃ" والی حدیث پر بھی جامع اور مختصر کلام کیا ہے۔ کاظمی صاحب نے چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کرکے مقالے کو آسان فہم اور واضح صورت میں پیش کر دیا ہے۔ مقالے میں مختصر طور پر احادیث کی تدوین کی تاریخ بھی دے دی گئی ہے۔ تاکہ منکرینِ حدیث پر یہ واضح کر دیا جائے کہ حدیث کی تدوین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک سو سال بعد نہیں بلکہ اس سے مدتہا پہلے شروع ہو چکی تھی۔ الغرض وہ تمام حیلے اور بہانے جنہیں منکرینِ حدیث استعمال کرتے ہیں اور وہ تمام دجل و فریب جو وہ عوام کو دامِ تزویر میں لانے کے لئے کرتے ہیں تار تار کرکے رکھ دیئے گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ایک منصف مزاج انسان اس مقالے کو پڑھنے کے بعد منکرینِ حدیث کے سنہرے جال میں نہیں پھنس سکے گا]

مدیر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت کاظمی

حامداً و مصلیاً و مسلماً

حجیت حدیث

ابتدائیہ) اس مقالہ کا عنوان حجیّت حدیث ہے۔ حدیث سے ہماری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول، فعل، اور حال ہے۔ اسی مفہوم کو اس مقالہ میں ہم لفظ سنّت سے بھی تعبیر کرینگے۔ اور حجیّت سے ہمارا مقصد دلیل شرعی ہونا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال مبارکہ دلیل شرعی ہیں۔

اثبات مدعا کا طریقہ ہم نے اس مقالہ میں اثبات مدعا کے لئے قرآن مجید کی روشنی میں جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جسم، روح کا مجموعہ اور علم و عمل کی صلاحیتوں کا مجسمہ ہے۔ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا۔ اُسے خدائے قدوس نے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے۔ مخلوق کا ہر فرد اپنے وجود و بقا میں اپنے خالق کا محتاج ہوتا ہے۔ تمام مخلوقات کی حاجات و ضروریات انکے حسب حال ہیں۔ جن کا پورا ہونا صرف خالق کائنات کی طرف سے ممکن ہے۔

انسان کی حاجات اس کے حسب حال دو قسم کی ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ قدرت نے اس کی جسمانی حاجات کے لئے ایک جسمانی مستحکم نظام قائم فرما دیا ہے۔ جس سے اس کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ لیکن روح کی نوعیت جسم سے بالکل مختلف ہے۔ اس لئے اس کی ضروریات و نظام تکمیل ضروریات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔

اس اختلاف کے باوجود چونکہ جسم و روح مخلوق و محتاج ہونے میں یکساں ہیں۔ اس لئے دونوں کی ضرورت پوری ہونے میں ایسے علم کی طرف محتاج ہونا مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے ذریعہ اسے یہ بات معلوم ہو جائے۔ کہ میرا خالق و مالک میرے کون سے فعل کو پسند کرتا ہے۔ جسے صادر کر کے میں اپنے مقصدِ تخلیق میں کامیاب ہو سکوں گا۔ اور کونسا وہ کام ہے جس کے کرنے سے میرا پیدا کرنے والا مجھ سے ناخوش ہو گا۔ اور اس کی وجہ سے میں حقیقی فوز و فلاح سے محروم ہو جاؤں گا۔

مقصدِ تخلیق میں کامیابی کا مدار مختصر یہ کہ انسانی فوز و فلاح۔ سعادت و نجات اور مقصدِ تخلیق میں کامیابی و کامرانی کا مدار صرف اس بات پر ہے۔ کہ انسان رضائے الٰہی کو جانے اور اس پر عمل پیرا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس علم کا حصول اور طریق عمل کی تعیین عام انسانوں کے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے خالق کائنات نے اس کا ذریعہ

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بنایا اور ان کی ذوات قدسیہ اس علم و عمل کا سرچشمہ قرار پائیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ خصوصیات جو قرآن مجید کی روشنی میں نظر آتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں۔ کہ ان کے اقوال و افعال اور احوال مبارکہ حجت شرعیہ ہیں۔ ورنہ انسان پر فلاح و بہبود سعادت و نجات اور مقصد تخلیق میں کامیابی کے تمام دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ شکوک و شبہات کی ظلمتوں میں حیران و پریشان رہے گا اور ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتا ہوا ایک دن ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گا۔

اس مقالہ کی بنیاد ہم نے مثبت پہلو پر رکھی ہے۔ اثنائے کلام میں کہیں کہیں حسب ضرورت استدراک آ گیا ہے۔ البتہ ازالۂ شکوک و شبہات کے لئے آخر میں ایک عنوان قائم کر کے مخالفین سنت کی بنیادی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

آغازِ کلام | انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جسمانی تخلیق کی ابتدا مٹی کے جوہر سے فرمائی۔ جو آگے بڑھ کر نطفہ بنا نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے مضغہ اور مضغہ سے عظام کی صورت میں تبدیل ہوا۔ عظام پر گوشت پہنایا گیا۔ اس چھٹے مرحلے پر انسانی جسم کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا۔ اسکے بعد خالق کائنات نے فرمایا ثم انشأناہ خلقاً آخر (پھر ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا کر اٹھا کھڑا کیا) یعنی اس کے جسم میں روح ڈال کر تخلیق انسان کو مکمل فرما دیا۔ جسم و روح کا یہ حسین امتزاج گویا دست قدرت کا وہ بہترین شاہکار قرار پایا۔ جس کے متعلق ارشاد ہوا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ دیکھیئے سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقاً آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ٥

مراتب جسمانیہ و صفات روحانیہ | جس طرح مراتب ستہ جسمانیہ مرتبۂ تکوین میں حسن خالقیت کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح انسان کے صفات ستہ روحانیہ ایمان۔ خشوع فی الصلوٰۃ۔ اعراض عن اللغو۔ فعل زکوٰۃ۔ حفظ فروج اور رعایت امانت و عہد مقام تشریع میں حسن الوہیت کے علمبردار ہیں۔ ان کا ذکر بھی سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون۔ والذین هم عن اللغو معرضون۔ والذین هم للزکوٰۃ فاعلون۔ والذین هم لفروجهم حافظون الا علیٰ ازواجهم او ماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک فاولٰئک هم العادون۔ والذین هم لامانتهم وعهدهم

راعون ۔ والذین ھم علیٰ صلواتھم یحافظون ۔ اولٰئک ھم الوارثون ۔ الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون ؕ

وہ مراتب ! کمال جسم کا مدار تھے اور یہ صفات فلاح روح کا معیار ہیں ۔ تکوین وتشریع کا فرق اور مرکب وبسیط کا امتیاز یہاں مفر نہیں ۔ بلکہ نگاہِ بصیرت کے لئے یہی فرق آگے چل کر مشعلِ راہ ہو گا ۔

حوائج انسانیہ اور کفالت ایزدی | حسن خالقیت کے یہ دونوں نمونے جن کا مجموعہ انسان ہے ۔ اپنی اپنی شان کے مطابق ضروریات وحوائج رکھتے ہیں ۔ خالقِ کائنات کی یہ شان نہیں ۔ کہ وہ کسی چیز کو پیدا کرکے اس کی طرف سے غافل ہو جائے ۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق کی حفاظت وبقا کے طریقوں اور اس کے جمیع حوائج و ضروریات سے پوری طرح باخبر اور اپنی حکمت کے مطابق کفیل کار ہوتا ہے ۔ اسی سورۂ مومنون میں تخلیقِ انسانی کو کمال جامعیت کے ساتھ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق وما کنا عن الخلق غافلین اس کے بعد وانزلنا من السماء ماءً بقدر فاسکناہ فی الارض سے لے کر وعلی الفلک تحملون تک تمام جسمانی ضروریات کے انتظام کی تکمیل بیان فرمائی اس کے بعد قصص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی بنیادی تعلیمات کا ذکر نہایت تفصیل سے فرما کر روح کی حوائج وضروریات کے انتظامات کا احسن وجوہ ذکر فرمایا ۔ اور قصص وتعلیمات رسل کرام کے ضمن میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ۔ کہ جس طرح آیاتِ سابقہ میں انسانوں کی جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور تھا ۔ اسی طرح روحانی ضروریات وحوائج کے سرانجام کرنے کے لئے دنیا کی ابتدا ہی سے وحی نبوت ورسالت کا سلسلہ بھی ایسے مستحکم طریق پر قائم فرمایا ۔ جسے کوئی طاغوتی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی ۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا ۔ لا تبدیل لکلمات اللہ اور ایک اور مقام پر فرمایا ۔ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔ (سورۂ روم)

جسمانی ضروریات | چونکہ انسان جسم وروح دونوں کا مجموعہ ہے ۔ اس لئے صرف ایک کی ضرورت کا انقضا انسان کے لئے کافی نہیں ۔ انسان کی ضروریات کا پورا ہونا اسی وقت ممکن ہے ۔ جبکہ اسکی روح کی ضروریات بھی مکمل طور پر پوری ہو جائیں ۔ بلکہ اگر اس مسئلہ کو اس نوعیت سے سوچا جائے ۔ کہ جسم فانی ہے ۔ اس کی ضروریات بھی فانی ہیں ۔ اور روح باقی ہے ۔ لہٰذا اس کی ضروریات بھی باقی ہیں ۔ تو روحانی ضروریات کا سرانجام ہونا اور بھی زیادہ ضروری اور اہم قرار پاتا ہے ۔

اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ اپنے خزائن قدرت سے نازل فرماتا ہے ۔ وان من شیءٍ الا عندنا

خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم (سورۂ حجر پ۱۴) لیکن عادت الٰہیہ یہ ہے۔ کہ جو چیز جہاں ہوتی ہے۔ اس کی غذا اس کے ضروریات کا استحصال بھی وہیں سے ہوتا ہے۔

روحانی ضروریات جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔ اور اس کی اصل مٹی کا جوہر ہے۔ لیکن روح بسیط ہے۔ اس کی حقیقت میں عناصر کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ عالم بالا سے لائی گئی ہے۔ اسی لئے وہ لوگوں کے فہم سے بالاتر رہی۔ لوگ اس کے متعلق سوال کرتے رہے۔ مگر ان کے ناقص علم کی حدود سے چونکہ روح کا مقام بہت بلند تھا۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (سورۂ بنی اسرائیل)

بنا بریں ضروری ہوا۔ کہ اس کے حوائج وضروریات کا مرکز عالم قدس قرار پائے۔ جو وحی نبوت اور دین سماوی کا مبداء ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جسم وروح دونوں مخلوق اور محتاج ہونے میں مساوی ہیں۔ اس لئے دونوں کا دائرہ علم وعمل حصول رضائے الٰہی کے نقطہ پر امور مذکورہ کو جاننے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ظاہر ہے۔ کہ ان امور کا علم ہر شخص کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسکے حصول کا ذریعہ کسی کے پاس نہیں۔ اس کے لئے صرف انبیاء علیہم السلام کی ذوات قدسیہ مخصوص کی جاتی ہیں۔ کیونکہ فیضان الٰہی کے حصول کی جو استعداد انبیاء کرام میں ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے انسان میں نہیں پائی جاتی۔ اس لحاظ سے نبی کی ذات عام انسانوں سے بالکل مختلف اور متباین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ اس کی رسالت کے لئے کونسی ذات موزون اور مناسب ہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کو مصطفیٰ اور برگزیدہ قرار دیا گیا۔ اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلا ومن الناس اور اسی طرح ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحًا وآل ابراھیم وآل عمران علی العٰلمین۔ ان سب کی برگزیدگی ہمارے بیان کی روشن دلیل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا۔ انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار۔ ان آیات میں اصطفا سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صفات ذمیمہ سے بالکل پاک اور خصائل حمیدہ سے مزین فرمایا۔ یہ معنیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کے بالکل موافق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ اصطفا جو قرآن مجید میں جابجا وارد ہوا ہے۔ اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام ایسے برگزیدہ ہوتے ہیں۔ کہ وہ اپنے تمام قوائے جسمانیہ وروحانیہ مدرکہ محرکہ ظاہرہ وباطنہ سب میں عام انسانوں سے بالکل مختلف

ہوتے ہیں - ان کے غیر میں یہ کمالات نہیں پائے جاتے۔ البتہ اگر شاذو نادر ان کے کسی تبع میں کمال اتباع کی وجہ سے تبعاً کوئی کمال پایا جائے۔ تو ان کی خصوصیت میں فرق نہیں آتا۔

ابنیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حواس ابنیاء علیہم السلام کے حواسِ ظاہرہ کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے حاسۂ بصر کو اتنا قوی فرما دیا - کہ ملکوت السمٰوٰت والارض کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے - وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین (سورۂ انعام) نبی کا حاسۂ سمع ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں نملہ کا قول مذکور ہے - یاایھا النمل ادخلوا مساکنکم اور اسکے بعد سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے - فتبسم ضاحکًا من قولھا ۔ سلیمان علیہ السلام نے نملہ کی یہ بات سُنی اور مسکرا کر ہنس پڑے۔ اس سے معلوم ہوا - کہ ابنیاء علیہم السلام کا حاسۂ سمع بھی عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔

اِسی طرح حاسۂ شم میں بھی ابنیاء علیہم السلام اپنے غیر سے ممتاز ہوتے ہیں - سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا مقولہ بیان فرمایا - انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ اذھبوا بقمیصی ھٰذا فالقوہ علیٰ وجہ ابی یأت بصیرا - میری قمیص لے جاؤ - اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو - وہ بینا ہو جائیں گے - فلما فصلت العیر قال ابوھم انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون - جب قافلہ روانہ ہوا - تو یعقوب علیہ السلام بولے - میں یوسف کی بو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھے دیوانہ نہ بناؤ۔

یہی حال ابنیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوت لامسہ کا ہوتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے نار کو بردو سلام بنا دیا۔ اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا - قلنا ینار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم - بے شک ابراہیم علیہ السلام کا اثر بردو سلام کو محسوس کرنا جبلِ الٰہی سے تھا - مگر عادت الٰہیہ یہی ہے - کہ اثر سے پہلے تاثر کی استعداد پیدا کی جاتی ہے - جس کی دلیل فجعلناہ سمیعًا بصیرًا ہے - حاسۂ ذوق اور قوتِ لامسہ میں ایسی قوی مشابہت ہے - کہ بعض نے دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا - اِس لئے ایک کا ذکر دوسرے سے مستغنی کر دیتا ہے - رہے حواسِ باطنہ تو بے شک نبی ان میں بھی بے نظیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا - سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ - یعنی ہم آپ پر قرآن کی قرأت کرینگے - تو آپ نہ بھولیں گے - مگر وہ جو اللہ چاہے - معلوم ہوا کہ نبی کی قوت حافظہ غیر نبی میں نہیں پائی جاتی - ورنہ کامل قرآن کا وجود قطعی نہ رہے گا - کیونکہ ایسی صورت میں یہ احتمال رہ جائے گا - کہ قرآن مجید کی کوئی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی ہو - اور حضورؐ اسے اپنی طرف سے بھول گئے ہوں۔

قوتِ مدرکہ کے بعد قوتِ محرکہ کی طرف آیئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اس بات کی روشن دلیل ہے۔ کہ نبی کی ذات میں یہ قوت بھی ایسے کامل طور پر پائی جاتی ہے۔ جس کا تصور غیر نبی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ۔ بے شک رافع اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر جب تک مرفوع میں تحمل رفع کی قوت نہ ہو۔ رفع متحقق نہیں ہوتا۔ اسی طرح قول خداوندی۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اسی قوتِ محرکہ کے پائے جانے کی دلیل ہے۔ جو عام انسانوں کے حق میں نہیں پائی جاتی۔

انبیاء علیہم السلام کے قوائے روحانیہ رہے قوائے روحانیہ عقلیہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذواتِ قدسیہ میں وہ بھی غایت کمال اور نہایت صفا کے درجہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس مسئلہ میں آخری بات یہ ہے۔ کہ نفوس قدسیۂ نبویہ باقی نفوس سے اپنی ماہیات میں بالکل مختلف ہوتے ہیں کمالِ ذکاوت و فطانت۔ حریت و استعلا اور ترفع عن الجسمانیات والشہوات اس نفسِ قدسیۂ نبویہ کے لوازمات سے ہیں۔

نبیؐ کی روح جب صفا و شرف کے انتہائی مقام پر ہوئی۔ اور اس کا بدن غایت پاکیزگی اور طہارت کے درجہ میں ہوا۔ تو لامحالہ اس کے تمام قوائے محرکہ و مدرکہ غایت کمال میں ہوں گے۔ کیونکہ اس تقدیر پر وہ ان انوار کے قائمقام قرار پائیں گے جن کا فیضان روح کے جوہر سے ہوتا ہے۔ اور وہ بدن تک پہنچتے ہیں۔ ایسی صورت میں فاعل و قابل یعنی جسم و روح دونوں صفا کے انتہائی درجہ میں ہوں گے۔ ان کمالات کو معجزہ قرار دیا جاتا نہیں فقط نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک کمال عظیم ہے۔ اور کوئی کمال کسی کو اس وقت تک نہیں دیا جاتا۔ جب تک اس میں اس کمال کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد نہ ہو۔

استدراک) اس مقام پر یہ شبہ درست نہ ہوگا۔ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذواتِ قدسیہ میں ملکات و قویٰ اور نبوت کی استعداد اشاعرہ کے نزدیک شرط نہیں۔ واضح رہے کہ یہ عدم اشتراط بر بنائے ایجاب ہے۔ یعنی اہل حق کے نزدیک استعدادِ نبوت علتِ موجبہ نہیں۔ کہ بغیر عطائے الٰہی کے محض ملکات و قویٰ اور استعداد کی وجہ سے نبوت حاصل ہو جائے۔ بلکہ اس کا حصول محض فضل خداوندی اور عطائے الٰہی پر موقوف ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا اصطفاء قرآن مجید کی روشنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مصطفیٰ اور برگزیدہ ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اب اس کے بعد دیکھنا یہ ہے۔ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی

ذواتِ قدسیہ سے اس علم کو حاصل کرنے کا طریق کار کیا ہے۔ جسے اختیار کر کے انسان مدار فلاح و نجات۔ روحانی حوائج و ضروریات کے حصول۔ اور اپنے تقاضائے فطرت ایمان باللہ و معرفت الٰہیہ کی تحصیل میں کامیاب ہو سکے۔ اس پر ہدایت کی راہیں کھل جائیں۔ وہ عذاب الیم سے نجات پا کر سعادت ابدیہ حاصل کر سکے۔ اور اولٰئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس کا مصداق بن جائے۔ تو قرآن مجید کی روشنی میں وہ طریق کار صرف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان ہو۔ اور صحیح معنی میں ان کی اطاعت و اتباع پائی جائے۔ ان کی لائی ہوئی کتاب اور ان کی سنت کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔

<u>ایمان بالرسل دینِ سماوی کا بنیادی نقطہ ہے</u> | اس مقام پر دو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک ایمان بالوحی دوسرے ایمان بالرسول۔ ظاہر ہے کہ وحی الٰہی ہمیں بواسطۂ رسول ہی ملی ہے۔ اسلئے جب تک رسول پر ایمان نہ لایا جائے۔ اس وقت تک وحی الٰہی پر ایمان لانے کا ہمارے لئے کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ معلوم ہوا۔ کہ ایمان بالرسل دینِ سماوی کا پہلا بنیادی نقطہ ہے۔ جس کے بغیر فلاح و نجات متصور نہیں ہو سکتی۔ حسب ذیل آیاتِ قرآنیہ اس حقیقت پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

(۱) فلا و ربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (سورۂ نسا)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا۔ کہ جب تک رسول کو مان کر اور اُسے حاکم تسلیم کر کے اس کے ہر فیصلے کو بدل و جان تسلیم نہ کیا جائے۔ اُس وقت تک کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ نجات اخروی کا مدار ایمان پر ہے۔ اور ایمان کا دارومدار رسول کو ماننے اور اُسے حاکم تسلیم کرنے اور اس کے ہر فیصلے کو بلا چون و چرا بدل و جان مان لینے پر ہے۔

(۲) ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالًا بعیدًا (سورۂ نسا)

اس آیت میں ہر اس شخص کو کافر اور گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ جو اللہ، اس کے فرشتوں، اسکی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخر میں سے کسی کا انکار کرے۔ معلوم ہوا کہ ان سب چیزوں کا ماننا ہی ایمان ہے۔

(۳) انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ (سورۂ نور)

اس آیت میں ایمان باللہ وایمان بالرسول میں مومنین کا حصر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔

(۴) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (سورۂ نسا)

یہاں ارسال رسول کو اس مقصد میں منحصر کیا گیا ہے۔ کہ اذن الٰہی کے موافق اس کی اطاعت کی جائے۔ خدا کا ارسال ہی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ رسول پر ضرور ایمان لایا جائے۔ پھر یہ کہ اس کا مطاع ہونا اس پر ایمان لانے کے ضروری ہونے کو اور بھی مستحکم کر دیتا ہے۔

(۵) ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا اولٰئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔ (سورۂ نسا)

یہ آیت کریمہ ایمان بالرسول کے لئے اس قدر روشن دلیل ہے۔ کہ قطعاً محتاج تشریح نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق کرنا مثلاً اللہ پر ایمان لانا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانا اس آیت میں کفر صریح قرار دیا گیا۔ اور اس قسم کے لوگوں کے لئے فرمایا گیا۔ کہ ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۶) والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولٰئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما۔ (سورۂ نسا)

پہلی آیت میں اس مسئلہ کا منفی پہلو مذکور تھا۔ اس میں مثبت پہلو کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے۔ کہ جو لوگ ایمان باللہ وایمان بالرسول میں تفریق نہیں کرتے اور اللہ اور رسول دونوں پر ایمان لاتے ہیں۔ انہیں کو اللہ تعالیٰ اجر اخروی عطا فرمائے گا۔ اور وہی لوگ خدا کی رحمت اور اسکی مغفرت کے اہل ہیں۔

ایمان بالرسول کے بغیر ایمان بالوحی محال ہے

ان آیات سے یہ حقیقت روشن ہو گئی۔ کہ ایمان بالوحی یقیناً مدار ایمان ہے۔ لیکن اس کا ذریعہ صرف ایمان بالرسول ہے۔ اور جس طرح انکار وحی کے ساتھ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رسول کا انکار کرنے سے بھی مومن نہیں رہ سکتا۔

حجیّت حدیث کا مدار

اگرچہ آیاتِ سابقہ سے اس معنی پر روشنی پڑ چکی ہے۔ کہ رسولوں پر ایمان لانا اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ان کی کامل اتباع اور اطاعت نہ کی جائے لیکن چونکہ ہمارے اس موضوع حجیّت حدیث کا دارو مدار رسول کی اطاعت اور کامل اتباع پر ہے۔

اس لئے ہم قرآن مجید سے وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن کی رو سے یہ مدعا قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم ط (سورۂ آل عمران)

اتباع اور اطاعت سے مراد یہ ہے۔ کہ کسی کی تعظیم و توقیر کے ساتھ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے اقوال و افعال کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی اتباع و طاعتِ رسول مومنین پر فرض فرمائی۔ اور اس اتباع کو خدا کی محبت کے لئے شرط قرار دے دیا۔ خدا کی محبت دین کی روح اور ایمان کا خلاصہ ہے۔ لہٰذا اس کی شرط بھی اسی کے لائق دین میں اہم قرار پائے گی۔

(۲) ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتہا الانہار وذلک الفوز العظیم (نساء)

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے جنت کے داخلے اور فوز عظیم کے حصول کو مشروط کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر اطاعت رسول کے جنت میں جانا اور فوز عظیم حاصل کرنا ناممکن ہے۔

(۳) یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ (محمد)

معلوم ہوا کہ اطاعتِ رسول کے بغیر ہر عمل باطل ہے۔

(۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر (احزاب)

اسی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی ذات مقدسہ میں اقتدا احسن کا ایک کامل نمونہ ہر اس شخص کے لئے بیان فرمایا ہے۔ جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو۔ یہ آیت حجیت حدیث میں اصل عظیم ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ آگے چل کر وضاحت کریں گے۔

(۵) قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین (آل عمران)

اس آیت کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرنے والے کافر ہیں۔

ان کے علاوہ بے شمار آیاتِ قرآنیہ ہیں۔ جن سے اطاعتِ رسول کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اتباع اور اطاعت ہمیشہ قول اور فعل میں ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل حجتِ شرعیہ نہ ہو۔ تو آپ کی اتباع و اطاعت کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ لہٰذا اس بات کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل یعنی حدیث شرعاً حجت ہے۔

اطاعتِ رسول کی مستقل حیثیت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں

بعض لوگوں کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ کہ اطاعت رسول کا حکم محض ایک امیر ہونے کی حیثیت سے دیا گیا ہے۔ اس خیال کا مبنیٰ اس آیت کریمہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ جو سورۂ نساء میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ ان لوگوں کی وجہ استدلال یہ ہے۔ کہ اس آیت میں اللہ، رسول اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر رسول کی اطاعت فرض ہونے کی وجہ سے رسول کا قول وفعل حجت شرعیہ ہو سکتا ہے۔ تو ہر امیر کے اقوال و افعال بھی شرعاً حجت قرار پائیں گے۔ کیونکہ و اولی الامر منکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کو بھی اہل ایمان پر فرض کیا ہے۔

اس خیال کے غلط ہونے کی دلیل خود اسی آیت میں موجود ہے۔ اور وہ اسی آیت کا اگلا حصّہ ہے۔ اولی الامر منکم کے بعد متصلاً فرمایا۔ فان تنازعتم فی شیٍٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر و احسن تاویلا (سورۂ نساء پ۵)

اطاعت اولی الامر کی حیثیت | اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتوں کو فرض فرمایا۔ جن میں دو مستقل ہیں اور ایک غیر مستقل۔ اللہ اور رسول کی اطاعت تو مستقلاً فرض کی گئی۔ اور تیسری اطاعت اولوالامر کی ان دو اطاعتوں کے ماتحت درج کر دی گئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ پہلی دو اطاعتوں کے لئے لفظ اطیعوا مکرر لایا گیا ہے۔ اور تیسری اطاعت کے لئے جداگانہ امر کا صیغہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس آیتِ قرآنیہ کی رو سے خدا اور رسول کی اطاعت مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اولوالامر کی اطاعت مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہاں استقلال کا مفہوم یہ ہے۔ کہ خدا کی اطاعت کی طرح براہِ راست ہم پر رسول کی اطاعت واجب ہے۔ جس طرح حکم خداوندی آجانے کے بعد ہمارے اوپر اس کا بجالانا واجب ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب رسول کوئی امر فرمائیں۔ تو بغیر اسکے کہ رسول سے اس امر کی دلیل طلب کی جائے۔ یا کتاب اللہ سے اس کا ثبوت حاصل کیا جائے محض رسول کے فرما دینے سے اس کی بجاآوری ہم پر لازم ہو جاتی ہے۔ بخلاف اطاعتِ اولی الامر کے۔ کہ اس کی یہ شان نہیں۔ کہ امیر جو حکم بھی دیدے۔ وہ براہِ راست ہمارے لئے واجب التعمیل قرار پائے۔ بلکہ ہم اُسے خدا اور رسول کی طرف لوٹائیں گے۔ اور کتاب وسنت کے معیار پر پرکھیں گے۔ اگر وہ اس کسوٹی پر صحیح اترا۔ تو اس کا ماننا اس لئے ہم پر واجب ہو گا۔ کہ وہ امر خدا اور رسول کے موافق ہے۔ اسی موافقت کی وجہ سے اس کی اطاعت محض ظاہری صورت میں غیر مستقل طور پر ہو گی۔ اصل طاعت اللہ اور اس کے رسول ہی کی قرار پائے گی۔ اسی لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ فان تنازعتم فی شیٍٔ فردوہ الی اللہ

والرسول یعنی اگر تم کسی امر میں جھگڑنے لگو۔ تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حکم تلاش کرو۔ اگر اطاعت امیر کی حیثیت مستقل ہوتی تو اللہ اور رسول کی بجائے امیر کی طرف اس امر کو لوٹانے کا حکم دیا جاتا۔ یا کم از کم الی اللہ والرسول کے ساتھ اولو الامر بھی فرما دیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ اطاعت رسول کا حکم بحیثیت امیر ہونے کے نہیں۔ بلکہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی۔ کہ رسول اور امیر کی اطاعت یکساں نہیں۔ اطاعت رسول مستقل ہے۔ اور اطاعت امیر غیر مستقل۔ لہٰذا امیر کا قول و فعل حجت شرعیہ قرار نہیں پا سکتا۔ اور رسول کا قول و فعل حجت شرعیہ رہے گا۔

<u>حجیّت حدیث پر قرآنی دلائل</u> اب ہم وہ آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ جن سے حجیّت حدیث کا روشن ثبوت ملتا ہے۔

(۱) لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (آل عمران)

(۲) ارشاد ہوتا ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (سورۂ جمعہ)

(۳) کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (بقرہ)

(۴) ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں وارد ہے۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (بقرہ)

ان چاروں آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ رسول کا کام صرف تلاوت آیات پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اسکے علاوہ حسب ذیل کام بھی بعثتِ رسول سے متعلق ہیں۔

(۱) تعلیم کتاب
(۲) تعلیم حکمت
(۳) انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے مومنین کا تزکیہ اور ان کی پاکیزگی و اصلاح حال۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ تینوں کام محض الفاظ قرآن پڑھ دینے سے پورے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی ابتدا تلاوتِ آیات کے بعد ہوتی ہے۔ ورنہ ان کو الگ بیان فرمانے کے کوئی معنی نہ تھے۔ امور مذکورہ کی انجام دہی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے جس کا تحقق حضور کی سیرت اقوال و افعال اور احوال مبارکہ کے بغیر متصور نہیں۔

اگر اِن سب چیزوں کو شرعاً حجت تسلیم نہ کیا جائے۔ تو یہ جملہ امور عبث اور بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ اِس لئے ہو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال سب حجتِ شرعیہ ہیں۔

استدراک) اِس مقام پر یہ کہنا کہ تعلیم کتاب سے مراد معانی قرآن کا بیان ہے۔ اور معانی الفاظ سے جدا نہیں۔ اِسی طرح حکمت بھی عین قرآن ہے کیونکہ خود قرآنِ کریم کو حکیم کہا گیا ہے۔ اور تزکیہ بھی قرآن کی صفت ہے۔ کیونکہ وہی ایمان کا مبدأ ہے۔ واذا تلیت علیھم آیاتنا زادتھم ایمانا لہٰذا آیاتِ منقولہ میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب قرآن ہی ہے۔ ایسی صورت میں غیر قرآن کی حجیّت پر ان آیات سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

اِس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم امور مذکورہ کو قرآن سے الگ نہیں مانتے۔ البتہ انہیں تلاوتِ آیات کا غیر سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایسی بدیہی بات ہے۔ جو قطعاً محتاج دلیل نہیں۔ معانی قرآن بے شک قرآن میں شامل ہیں۔ لیکن ان کا بیان رسول کے قول فعل کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی طرح حکمت قرآن میں ہے۔ اسی لئے قرآن کو حکیم کہا گیا۔ لیکن اس کی تعلیم رسول کے قول و فعل ہی سے ہو سکتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس پاکیزگی کا منبع قرآن مجید ہی ہے لیکن اس کا حصول رسول کی وساطت کے بغیر ناممکن ہے۔ اور جب رسول کی ذات سے اس کا حصول متحقق ہو گا۔ تو وہ رسول کے احوال اور اقوال و افعال ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یہی تعلیم و بیان اور اقوال و افعال و احوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ہیں۔ اور وہ تلاوت آیات کا غیر ہیں۔ اِن سے اعراض کرنا مقصد بعثت کو فوت کر دینے کے مترادف ہے۔

کتاب کی مراد کو بیان کرنا رسول کا منصب ہے) اگرچہ آیاتِ سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تعلیم اور اپنے کلام کی مراد بیان کرنے کا منصب رسول کے سوا کسی دوسرے کے حوالے نہیں کیا۔ خواہ وہ کوئی امیر ہو۔ یا کسی کا خود ساختہ مرکز ملت یعلمھم الکتاب والحکمۃ اِس امر کی قطعی دلیل ہے۔ کہ کلام الٰہی سے مراد خداوندی کا بتانا صرف رسول کا کام ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر تعلیم کتاب پر یہ پابندی عائد نہ کی جاتی۔ تو ہر شخص اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق اس کے معنی بیان کرنے لگتا۔ اور مراد الٰہی کے جاننے سے امت مسلمہ محروم رہ جاتی اور کلام الٰہی ہوا و ہوس کے لئے اِک سہارا بن جاتا۔ مزید وضاحت کے لئے ہم سورۂ نحل کی ایک اور آیت پیش کرتے ہیں۔ جس سے صاف واضح ہے۔ کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان کی توضیح و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمّہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۵) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم۔ یعنی ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ کی طرف اِس لئے نازل فرمایا۔ کہ آپ ان چیزوں کو وضاحت کے ساتھ لوگوں کے لئے بیان فرما دیں۔ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ اِس کا واضح مفہوم یہی ہے۔ کہ آپ قرآن کی تفسیر اور اس کی شرح فرما کر لوگوں کو اس کا مطلب سمجھا دیں۔

اِس آیت کے متعلق بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ یہاں لتبین للناس ما نزل الیھم سے صرف الفاظ قرآن کا بیان کر دینا مراد ہے۔ عجیب مضحکہ خیز ہے۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تبیین معانی کی ہو سکتی ہے۔ الفاظ کی تبیین کے کیا معنی جہاں الفاظ قرآن امت کے سامنے پیش کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ وہاں تلاوت کے الفاظ وارد ہیں۔ جیسا کہ آیات سابقہ میں یتلوا علیھم آیاتہ اور آیاتلٰہ وارد ہے۔ الفاظ قرآن کی ادائیگی کو تلاوت یا قرأت کے ساتھ قرآنِ کریم میں بارہا تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے اقرأ باسم ربک الذی خلق اور سنقرئک فلا تنسیٰ اور ان علینا جمعہ وقرآنہ لیکن تبیین کے ساتھ الفاظ قرآن کی ادائیگی کی تعبیر کہیں وارد نہیں ہوئی۔ ثم ان علینا بیانہ میں بھی لفظ بیان سے قرآن کے علوم و معارف ہی کا بیان مراد ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ لتبین للناس ما نزل الیھم میں الفاظ قرآن ہی کی تبیین مراد ہے۔ ماسوائے الفاظ سے اس تبیین کا کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ صراحتہً غلط ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اسی سورۂ نحل کی ایک دوسری آیت ہم پیش کرتے ہیں۔ جس سے ان لوگوں کی غلط فہمی قطعی طور پر دور ہو جانی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون۔ اس آیت میں اس چیز کی تبیین کا ذکر ہے۔ جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ امر مختلف فیہ الفاظ قرآن نہیں۔ حالانکہ اس آیت کریمہ میں اسی کی تبیین کو کتاب نازل کرنے کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کی تبیین پر اس آیت کو محمول کرنا درست نہیں۔ مختصر یہ کہ ہماری پیش کردہ آیت سابقہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ تفسیر قرآن اور تبیین معانی کتاب منصب رسالت ہے۔ اگر اسے حجّتِ شرعیہ تسلیم نہ کیا جائے۔ تو قرآن کا نزول معاذ اللہ عبث ہو کر رہ جائے گا۔

(۶) وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (حشر)

اِس آیتِ کریمہ میں لفظ ما کا عموم اِس بات کو واضح کرتا ہے۔ کہ یہاں صرف کتاب اللہ مراد نہیں۔

بلکہ ہر وہ چیز مراد ہے۔ جو رسول ہونے کی حیثیت سے اللہ کا رسول امت کو عطا فرمائے۔ جس میں وہ تمام اقوال و افعال اور احوال شامل ہیں۔ جو کتاب اللہ کی تفسیر اور مراد الٰہی کے بیان کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوئے۔ انہیں کو لینے کا حکم اس آیت کریمہ میں پایا جاتا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ سب کچھ حجت شرعیہ ہے۔ جو بحیثیت رسول ہونے کے خدا کے رسول نے اپنی امت کو دی۔ اور حدیث اس میں شامل ہے۔ اِس لئے یہ آیت حجیّتِ حدیث کی روشن دلیل ہے۔

(۷) انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللہ۔

آیت سے مسائل متفقہ کا حصول اس آیت کریمہ کا مفاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حکم دے رہا ہے۔ کہ آپ اس چیز کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ جو اللہ نے آپ کو دکھائی۔ یعنی کتاب اور اپنے کلام کے جو معانی و مطالب آپ کو سمجھائے۔ آپ اسکے مطابق فیصلہ کیجئے۔ اِس آیت سے چند مسائل منقح ہو کر سامنے آگئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ہونے کی حیثیت عطا فرمائی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اپنی ذاتی نہیں بلکہ وہ خدا کی ارأت ہے اور ظاہر ہے۔ کہ وہ الفاظ قرآن کے ماسوا ہے۔ جس کے مطابق فیصلہ اور حکم فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو منصب عطا فرمایا۔

(۳) الفاظ قرآن کے علاوہ بھی ایک ایسی چیز کا وجود اِس آیت سے ثابت ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ہم اسی کو حدیث اور سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کا حجت ہونا اس بات سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق حکم صادر فرمانے کو آپ کا منصب قرار دیا۔

ایک لطیف نکتہ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بما اراك اللہ فرمایا۔ بما رایت نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ امت مسلمہ اِس بات کو سمجھ لے۔ کہ جب رسول کو قرآنِ مجید میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دینے اور اسی کی روشنی میں کتاب اللہ سے کوئی حکم صادر کرنے کا حق نہیں دیا گیا۔ تو غیر رسول کو یہ حق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذاتی رائے کو قرآن میں دخل کر کے اپنی منشاء کے مطابق جو چاہے فیصلہ صادر کر دے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ اِس آیت کریمہ سے ایک اور شبہ بھی دور ہو گیا۔ وہ یہ کہ جب قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے کتاب مفصل اور تبیانا لکل شیٔ فرمایا تو معلوم ہوا۔ کہ وہ کسی تشریح و توضیح کا محتاج

نہیں - پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے - کہ معانی قرآن کی تبیین و تفسیر منصب نبوت ہے - اس شبہ کے دور ہونے کی وجہ یہ ہے - کہ آیۂ کریمہ لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ اس بات کی دلیل ہے - کہ مطالب و معارف قرآن کا وضوح و انکشاف ارائت الٰہیہ پر موقوف ہے - جس کے لئے وہ ثابت ہے - اس کے لئے قرآن مفصل و مبین اور تبیانا لکل شیئ کا حکم رکھتا ہے - لیکن جس کے لئے ارائت الٰہیہ ثابت نہیں - اسکے لئے یقیناً قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور بیان و تبیین کی حاجت ہے - خلاصہ یہ - کہ قرآن بالنسبت الی الرسول کتاب مفصل اور تبیانا لکل شیئ ہے - اور غیر رسول کے لئے رسول کی تعلیم و تبیین ضروری ہے - گویا قرآن اس کے حق میں بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطۂ رسول کتاب مفصل و تبیانا لکل شیئ کا حکم رکھتا ہے - ورنہ بتایا جائے - کہ بیان رسول سے قطع نظر کر کے قرآن مجید میں مثلاً اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، حج و صیام وغیرہ احکام کی تفصیل کہاں ہے؟

نطق رسول وحی الٰہی میں منحصر ہے (۸) وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ - اس آیت میں نطق رسول کو وحی میں منحصر کیا گیا ہے - اور لفظ ینطق اس بات کی دلیل ہے - کہ یہاں صرف قرآن نہیں بلکہ حدیث بھی مراد ہے - کیونکہ صرف قرآن کے لئے تلاوت یا قرأۃ کا لفظ مخصوص ہے - اس آیت میں وما ینطق فرما کر واضح فرما دیا - کہ وحی سے محض قرآن مراد نہیں - بلکہ ایسے عام معنی مراد ہیں - جو سنت کو بھی شامل ہیں -

ان تمام آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر سامنے آگئی - کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے - اسی لئے اللہ تعالیٰ نے امر رسول یعنی سنت نبویہ کی مخالفت کرنے والوں کو زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا - فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیمۃ

صرف قرآن کی اتباع مراد نہیں مخالفین سنت کہتے ہیں - کہ آیات قرآنیہ میں رسول کی اطاعت سے صرف قرآن کی اطاعت و اتباع مراد ہے - یہ قول قرآن مجید کی روشنی میں مردود ہے - ورنہ دیکھئے قرآن کا حکم ہے - اقیموا الصلوٰۃ - اس حکم کی پیروی اطاعت رسول کے بغیر محال ہے معلوم ہوا - کہ اتباع قرآن اتباع نبوی پر موقوف ہے -

مخالفین سنت کہتے ہیں - کہ رسول کا منصب رسالت صرف تلاوت قرآن اور اس کے الفاظ کی ادائیگی تک محدود ہے - اس کے بعد وہ ایک امیر یا عام انسانوں کی طرح ہے - اس لئے اس کا قول و فعل حجت نہیں - یہاں دو باتیں ہیں - ایک رسول کا محض امیر کی طرح ہونا - دوسرے رسول کا

عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہوتا۔ ہم ان دونوں باتوں کو الگ الگ تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ دونوں مسئلے اچھی طرح واضح ہو جائیں۔

رسول کی بشری حیثیت) کہا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک بشریت دوسری رسالت۔ بشریت کی حیثیت سے ان کی اطاعت فرض نہیں۔ اس لئے کہ حضور نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں۔ جو بات اپنی طرف سے (بحیثیت بشر) کہوں وہ تم پر فرض نہیں۔ اور جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں وہ فرض ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ صرف رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی اطاعت فرض ہے۔ لہٰذا انہیں مطلقاً واجب الاطاعت ماننا صحیح نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بشریت و رسالت دونوں ایک ہی ذات مقدسہ کی حیثیں ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں کیسے معلوم ہوگا۔ کہ یہ بات بشری حیثیت سے فرمائی ہے یا رسول ہونے کی حیثیت سے۔ اس بات کا علم ہمیں ان ہی کے قول یا اصول سے ہو سکتا ہے۔ کہ فلاں بات بشریت کی حیثیت سے ہے۔ یا رسالت کی حیثیت سے۔ اگر ان ہی کے ارشاد یا قائم کردہ دلیل سے کسی بات کا بشری حیثیت سے ہونا ثابت ہو جائے۔ تو ہم اس کی عدم فرضیت کا اعتقاد رکھیں گے۔ یعنی ان کا فرض کرنا دلیل فرضیت ہوگا۔ اور ان ہی کا کسی چیز کو غیر فرض قرار دینا اس کی عدم فرضیت کی دلیل قرار پائیگا۔ دونوں صورتوں میں قول رسول کی حجیت باقی رہی۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ بشری حیثیت رکھنے کے باوجود بھی رسول ہیں۔ ان کی بشریت کسی حال میں ان کی رسالت کے منافی نہیں۔ اور ان کا وصفِ رسالت کسی وقت بھی ان کی بشریت سے منفک نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ہر وقت مطلقاً واجب الاطاعت ہیں۔

امیر کی حیثیت اور رسول کا مقام) مخالفین سنت نے رسول کی ذات کو ایک امیر کی حیثیت دیدی۔ اور رسول کے بعد امیر کو رسول کا مرتبہ دیدیا۔ یعنی جس طرح رسول کو قرآن کی تفسیر کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح امیر بھی اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کی تفسیر کر سکتا ہے۔ اس کی تشریح بہر صورت قابل قبول ہوگی۔ خواہ رسول کی تفسیر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں نے امیر کو مرکز ملت کے نام سے تعبیر کیا۔ اور اُسے رسول کی طرح واجب الاطاعت جانا۔ آیئے ہم قرآن مجید کی روشنی میں ان دونوں کی حیثیت تلاش کرتے ہیں۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ کہ از روئے قرآن امیر کو رسول کا ہم پلہ قرار دینا باطل محض ہے۔

امیر کی صفات رسول جیسی نہیں ہوسکتیں | بیان سابق میں قرآن مجید سے انبیاء علیہم السلام کے قوائے جسمانیہ مدرکہ و محرکہ و قوائے روحانیہ اور ان کے نفوس قدسیہ کے غایت کمال اور نہایت صفاء کو

ہم ثابت کر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی امیر کے لئے ان کمالات کا ثبوت قرآن مجید سے نہیں مل سکتا۔ پھر یہ بات بھی قرآن مجید ہی کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہے۔ کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے۔ اور امیر کی غیر مستقل یہ بات بھی قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ رسولوں کا انتخاب براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر موقوف ہے۔ اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ رسالت موہبت الٰہیہ ہے۔ لیکن امیر کا منصب جعل الٰہی پر موقوف نہیں۔ نبی کا نطق وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اور اس کی آواز پر آواز اونچی کرنا بھی حبط اعمال کا موجب ہے۔ نبی کی وفات کے بعد اس کی بیویوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ نبی اگر کسی سے مشورہ لے تو وہ مجلس مشاورت کا تابع نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے لوگ اسکے تابع ہوتے ہیں۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔

یہ تمام خصوصیات صرف نبی اور رسول کے لئے قرآن سے ثابت ہیں۔ جن کا تصور قرآن کی روشنی میں امیر کے لئے نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ بعض صورتوں میں امیر کا عزل بھی ممکن ہے۔ ایسی صورت میں امیر کو رسول سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے مرکز ملت کا خود ساختہ تصور مومن کے لئے کس قدر بھیانک اور ناقابل برداشت ہے۔

مخالفین سنت کا ایک اہم سوال قرآن کی طرح احادیث کا مجموعہ لاؤ حجیت حدیث کے مسئلہ میں مخالفین حدیث کی طرف سے اس سوال کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ کہ اگر حدیث حجت ہے۔ تو اس کا کوئی مجموعہ کتابی شکل میں ہمارے سامنے لاؤ۔ جو قرآن کی طرح شک و شبہ سے پاک ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محفوظیت قرآن ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ لیکن اس کا مدار بھی سنت و حدیث پر ہے۔ اس بحث سے پہلے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ قرآن کیا ہے۔

قرآن کے تصور کے ساتھ ہمارے سامنے تین چیزیں آتی ہیں نقوش، الفاظ، اور معانی، یہ امر محتاج بیان نہیں۔ کہ نقوش جو مکتوب فی المصاحف ہیں منزل من اللہ نہیں، بلکہ وہ الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن درحقیقت صرف الفاظ اور ان کے معانی ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔

لفظ بعینہٖ مکتوب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کتابی شکل میں جو مجموعہ ہے وہ صرف نقوش ہیں۔ الفاظ و معانی نہیں۔ البتہ الفاظ ان نقوش کا مدلول ہیں اور معانی پر الفاظ کی دلالت ہے۔ اس تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کہ مجموعہ کی شکل میں ہمارے

پاس صرف نقوش ہیں۔ اور وہ بھی بعینہٖ وہی نقوش نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نزول قرآن کے وقت لکھوائے تھے، کیونکہ جن چیزوں پر ان نقوش کو لکھوایا گیا تھا۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی آج ہمارے پاس موجود نہیں، ایسی صورت میں وہ اصل نقوش کیونکر محفوظ ہو سکتے ہیں۔ البتہ ان نقوش کی نقل در نقل ہوتی چلی آئی جس میں سرِ مو تفاوت پیدا نہیں ہوا۔ نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ نقوش صرف خارجی مصاحف واوراق تک محدود نہ رکھے گئے۔ بلکہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک بواسطۂ صور اذہان وقلوب مومنین میں محفوظ چلے آرہے ہیں۔ جبتک مسلمانوں کا وجود روئے زمین پر باقی ہے۔ دل ودماغ کی دنیا سے انھیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ یہ نقوش خارجی ہوں یا ذہنی ظاہری ہوں یا باطنی الفاظ قرآن پر دال ہیں اور قرآنی الفاظ ان کا مدلول اور اس وجہ سے انھیں بھی قرآن کہا جاتا ہے۔

پھر یہ کہ قاری کے لئے قرأت قرآن کا مبدأ بھی یہی نقوش ہیں۔ اِس لئے بھی انھیں لفظ قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خصوصیت صرف قرآنِ کریم کو حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے تحریف وتبدیل کا تصور بھی قرآن کے حق میں قطعًا غلط اور باطل محض ہے۔

قرآن، لفظ اور معنی کا مجموعہ ہے | ان نقوش کی بدولت جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے۔ تو اُسکا پڑھنا قرأت قرار پاتا ہے۔ اور جو کچھ اُس نے پڑھا اُسے قرآن کہا جاتا ہے۔ لیکن میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ القرآن اسمٌ للنظم والمعنیٰ جمیعًا۔ لہٰذا جبتک معنیٰ کو بھی محفوظ نہ مانا جائے۔ اس وقت تک محفوظیت قرآن کا دعویٰ قابل تسلیم نہ ہوگا۔ اور محفوظیت قرآن کا معتقد وہی شخص قرار پائے گا۔ جو الفاظ کے ساتھ معانی قرآن کو بھی محفوظ مانتا ہو۔ اسکے برخلاف جو شخص صرف نقوش والفاظ کے محفوظ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور معانی قرآن کی محفوظیت کا معتقد نہ ہو وہ درحقیقت محفوظیتِ قرآن پر قطعًا ایمان نہیں رکھتا اور اسے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اپنے آپ کو محفوظیت قرآن پر ایمان رکھنے والا قرار دے۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی۔ کہ محفوظیت قرآن کے لئے صرف نقوش والفاظ کا محفوظ رہنا کافی نہیں۔ بلکہ معانی قرآن کی محفوظیت بھی اِس کے لئے ضروری ہے۔

معانی قرآن سنت کی شکل میں محفوظ ہیں | اب مخالفین سنت سے میں دریافت کروں گا۔ کہ آپ لوگ معانی قرآن کو محفوظ مانتے ہیں یا نہیں، اگر جواب نفی میں ہو تو میں عرض کروں گا۔ کہ اس صورت میں آپ نہ قرآن کے قائل ہیں نہ اس کی حجیت پر آپ کا ایمان ہے۔ اس تقدیر پر سنت کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔ اور اگر مانتے ہیں تو ان کا کوئی مجموعہ ہمارے سامنے پیش کیجئے۔ جو مجموعہ مصاحف کی طرح ہر قسم کے اختلاف اور شک وشبہ سے پاک ہو۔ اگر آپ پیش نہ کر سکے۔ اور یقیناً پیش نہ کرسکیں گے۔ تو مان لیجئے کہ معانی قرآن سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں محفوظ ہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن کریمہ دراصل معانی قرآن ہیں۔ ثابت ہوا۔ کہ جبتک سنت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اس وقت تک قرآن پر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کے الفاظ قرآن میں موجود ہیں۔ مگر اس کے معنی کسی صحیفے کی صورت میں نہیں پائے جاتے۔ البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن طریقوں سے یہ عبادتیں ادا فرمائیں یا صحابہ کرام کو ان کے ادا کرنے کی تعلیم دی وہ سب سنت قولی وفعلی میں محفوظ ہیں۔ جو امت محمدیہ کے تعامل اور احادیث و روایات کی صورت میں عہد رسالت سے لے کر آج تک محفوظ چلے آرہے ہیں جسکو تسلیم کئے بغیر معانی قرآن کے وجود کو تسلیم کرنا ممکن نہیں۔ ثابت ہوا کہ محفوظیت قرآن کا دار و مدار سنت پر ہے سنت کے بغیر قرآن کا محفوظ ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔

استدراک اس مقام پر اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہر لفظ کے معنی اس لفظ کے تحت ہوتے ہیں۔ اس لئے جب الفاظ محفوظ ہیں۔ تو ان کے تحت ان کے معنی بھی محفوظ قرار پائیں گے۔ تو ہم اس کے جواب میں عرض کرینگے۔ کہ معانی قرآن سے ہماری مراد الفاظ قرآن کے صرف لغوی معنی نہیں۔ بلکہ معانی قرآن سے ہماری مراد۔ مراد الٰہی ہے۔ بے شک لغت کو قرآن کے معنی کے سمجھنے میں دخل ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مراد الٰہی بھی وہی لغوی معنی ہوں۔ جس کی مثال میں ہم بار بار اقیموا الصلوٰۃ اور اس قسم کی دوسری آیات کو پیش کر چکے ہیں۔ لغت کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ آپ کو لفظ صلوٰۃ کے معنی ارکان مخصوصہ نہ ملیں گے۔ اسی طرح کلام الٰہی میں بے شمار ایسے الفاظ ہیں۔ جو خاص شرعی۔ اصطلاحی الفاظ ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کو بتائے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا غلط ہو گا۔ کہ معنی لفظ کے تحت ہوتے ہیں۔ اور حفاظت لفظ کے ساتھ معنی کی حفاظت بھی ہو جاتی ہے۔ حفاظت الفاظ یقیناً حفاظت معنی کے لئے کافی نہیں۔ لیکن سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ مراد الٰہی کا بیان ہے۔ اس لئے اس کے بغیر معانی قرآن کی محفوظیت ناممکن ہے۔

معانی قرآن لا متناہی ہیں یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے۔ کہ معانی قرآن ایک بحر بیکراں ہے۔ جس کی تحدید ممکن نہیں۔ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کمال ہے۔ کہ جوامع الکلم اور اقوال و افعال میں ان کو حسب منشائے ابدی مکلفین کی ضروریات کے مطابق اس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جس کی روشنی میں نوع انسانی کی فوز و فلاح اور نجات کی راہیں بے غبار نظر آتی ہیں۔ ورنہ اگر علوم قرآن کی تفاصیل کو دیکھا جائے۔ تو اس میں شک نہیں۔ کہ اُن کا احصا حدِّ امکان سے باہر ہے۔ جن تفاصیل کو تعلیم کتاب کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کریمہ کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔ وہ وہی ہیں۔ جن کی حاجت بنی نوع انسان کو تھی۔ اور جن کا نزول مکلفین کو بتانے اور تعلیم دینے کیلئے ہوا تھا۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک سے یہی مراد ہے۔ کہ جو کچھ مخاطبین کے لئے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ آپ وہ سب کچھ انہیں پہنچا دیں۔ لتبین للناس ما نزل الیھم میں بھی اسی امر کی تصریح ہے۔ کہ آپ لوگوں کے لئے اسی چیز کو بیان فرمائیں۔ جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے۔ ورنہ معانی قرآن اور علوم کتاب کی وسعتوں کو پا لینا کسی کی طاقت میں نہیں۔ جس کو جتنا نور یا فہم عطا ہوا۔ اس نے اسی قدر زائد سے زائد علوم کتاب کو حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت مجاہد جیسے لوگوں سے پوچھئے۔ انہوں نے سنت کی روشنی میں علوم قرآن کے بارے میں اپنی فہم و بصیرت کو کس انداز سے بیان کیا ہے۔ اتقان فی علوم القرآن اور اسی طرح روح المعانی میں مرقوم ہے۔

وحکی ابن سراقۃ فی کتاب الاعجاز عن ابی بکر بن مجاہد انہ قال یوما ما من شیٔ فی العالم الا ہو فی کتاب اللہ فقیل لہ این ذکر الخانات فیہ فقال فی قولہ تعالی لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم فھی الخانات ..... وقال ابن ابی الفضل المرسی فی تفسیرہ جمع القرآن علوم الاولین والاخرین بحیث لم یحط بہا علما حقیقۃ الا المتکلم بہا ثم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا ما استاثر بہ سبحانہ وتعالی ثم ورث عنہ معظم ذلک سادات الصحابۃ واعلامہم مثل الخلفا والاربعۃ وابن مسعود وابن عباس حتی قال لو ضاع لی عقال بعیری لوجدتہ فی کتاب اللہ تعالی (النوع الخامس والستون فی العلوم المستنبطۃ من القرآن الاتقان ص ۱۲۵-۱۳۱ ج ۲)

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے۔

ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ابوبکر بن مجاہد سے نقل کیا۔ ایک دن انہوں نے فرمایا۔ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو کتاب اللہ میں نہ ہو۔ ان سے کہا گیا۔ کہ خیموں کا ذکر کہاں ہے؟ فرمایا۔ اس آیت میں ہے۔

لاجناح علیکم ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونة فیہا متاع لکم (ایسے گھر جن میں مستقل سکونت نہ ہو جیسے ہیں)

ابن ابی الفضل المرسی نے اپنی تفسیر میں کہا۔ کہ قرآن نے علوم اولین و آخرین کو اس طرح گھیر لیا ہے۔ کہ اسکے علم کا حقیقتہً اسکے متکلم کے سوا کسی نے احاطہ نہیں کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا احاطہ فرمایا۔ بجز اُن علوم کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمالیا ہے۔ پھر ان علوم کے بڑے حصے کے وارث جلیل القدر صحابہ کرام ہوئے جیسے خلفائے راشدین اور عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے۔ تو میں اسے بھی کتاب اللہ میں پالوں گا۔

قرآن کے الفاظ و معانی دونوں منجانب اللہ ہیں) اگرچہ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ کہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں منجانب اللہ ہیں۔ لیکن تائید مزید کے لئے ایک اور آیت قرآنیہ پیش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان علینا جمعہ و قرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ۔ یعنی قرآن کے الفاظ و معانی کو آپ کے سینۂ اقدس میں جمع کرنا اور اسکے الفاظ آپ سے پڑھوانا سب ہم پر ہے۔ آپ ہماری قرأت کی اتباع فرمائیں۔ پھر اسکے بعد اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے (سورۂ قیامہ پ ۲۹) جب بیان معنی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ تو اسے وحی الٰہی سے خارج کرنا اور محض الفاظ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی وحی کو منحصر کر دینا قرآن مجید کی صریح مخالفت نہیں تو اور کیا ہے؟

<u>قرآن کے علاوہ وحی کا ثبوت</u> کلام الٰہی کو غور سے دیکھئے۔ آپ کو ایسی روشن آیات ملیں گی جن سے الفاظ قرآن کے علاوہ بھی وحی کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے۔ واذا اسر النبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثا (الایہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی زوجۂ مطہرہ سے ایک راز کی بات فرمائی۔ جس کو انہوں نے افشا کر دیا۔ واظہرہ اللہ علیہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس بات کو ظاہر فرما دیا۔ (کہ آپ کی بیوی نے آپ کا راز فاش کر دیا) اللہ تعالیٰ کے اظہار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پاک بیوی سے فرمایا۔ کہ تم نے فلاں بات کی اطلاع دوسری بیوی کو دے کر ہمارا راز کھول دیا۔ حالانکہ تمہیں منع بھی کر دیا تھا۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگیں۔ آپ کو کس نے بتایا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نبانی العلیم الخبیر۔

مجھے خدائے علیم خبیر نے بتایا۔ اب سارے قرآن کو پڑھ جایئے۔ یہ تو آپ کو ملے گا۔ کہ و اظہرہ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر فرما دیا۔ لیکن وہ کیا بات تھی۔ اور کن لفظوں میں اس بات کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر فرمایا۔ قرآن پاک میں یہ بات آپکو کہیں نہ ملے گی۔ ثابت ہوا۔ کہ الفاظ قرآن کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی فرماتا ہے۔

اس مقام پر یہ کہنا کہ علیم وخبیر سے اللہ تعالیٰ مراد نہیں۔ گویا قرآن کی تکذیب ہے۔ کیونکہ اظہرہ اللہ علیہ قرآن ہی میں موجود ہے۔ نیز یہاں یہ بات بھی باطل محض ہے۔ کہ اللہ کے کسی بندہ کی خبر بھی گویا اللہ تعالیٰ ہی کی خبر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس واقعہ میں کوئی ایسی اہمیت نہیں پائی جاتی۔ جس کی بنا پر اُسے اہتمام شان کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر فرمایا جائے۔ مختصر یہ کہ قرآن کی یہ آیت اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔ کہ وحی الٰہی الفاظ قرآن کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔

عصمۃ وزَلّۃ زلّات انبیاء علیہم السلام کے پیشِ نظر جو غلط فہمی حجیت حدیث کے بارے میں معترضین کو واقع ہوئی اس کا ازالہ عصمۃ وزلۃ کے معنی سمجھے بغیر ناممکن ہے۔ زلّۃ سے پہلے عصمۃ پر کلام کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں تفصیلی بحث کا موقع نہیں اس لئے جامع اور مختصر الفاظ میں بعض کتب معتبرہ کی ان عبارات کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ جو عصمۃ کی تعریف اور اس کے معنی کی وضاحت میں وارد ہیں۔ پیش نظر تمام عبارات کا مفاد حسب ذیل ہے۔

عصمۃ نبوۃ عصمۃ ایک لطف خداوندی ہے جو "نبی" کے شامل حال رہتا ہے ایک ملکہ نفسانیہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ذات میں پیدا کرتا ہے۔ جو نبی کی ذات مقدسہ میں "عدم خلق معصیت" کا سبب بن جاتا ہے۔ جس کے باعث باوجود قدرت واختیار کے نبی سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔

چونکہ نبی کی ذات میں معصیت مخلوق نہیں ہوتی اور عنایت ایزدی سے اس کے حق میں ہمیشہ دفع شر ہوتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ اس کی قدرت "طاعۃ" کے ساتھ مختص ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی درست ہوگا۔ کہ "فلا یخلق لہ قدرۃ المعصیۃ"

اللہ تعالیٰ کا ہر قسم کی برائیوں سے اپنے نبیوں کو محفوظ رکھنا۔ اس صفائے جوہر کی وجہ سے جو ان کے ساتھ مختص ہے۔ نیز ان کے فضائل جسمیہ ونفسیہ کی وجہ سے جو عطیہ خداوندی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت خاص اور ان کو ثابت قدم رکھنے اور ان پر سکینہ نازل فرما کر ان کے قلوب کو کجروی سے بچا کر ہمیشہ کے لئے اپنی توفیق کو ان کے شامل حال فرمانا "عصمۃ نبوۃ" ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ مسائرہ اور اسکی

(شرح مسامرہ جلد ۲ صفہ ۸۱ شرح عقائد نسفی صفہ ۴۷ مفردات امام راغب اصفہانی صفہ ۲۴۱ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفہ ۳۹۳ تعریف الاشیاء للسید شریف الجرجانی صفہ ۶۵ دستور العلماء جلد ۲ صفہ ۳۲۵ اقرب الموارد جلد ۲ صفہ ۷۹۱)

عصمۃ نبوۃ قرآن سے ثابت ہے عصمۃ نبوۃ کا یہ مفہوم قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر موجود ہے اور بکثرت آیاتِ قرآنیہ سے یہ دعویٰ ثابت ہے۔ جن آیات میں اطاعت و اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کا امر وارد ہے۔ وہ سب عصمۃ نبوۃ کی دلیل ہیں۔ کیونکہ اگر ان سے معصیت کا صدور ممکن ہو تو بر تقدیر وقوع اس کی اتباع بھی فرض ہوگی حالانکہ معصیت کی اتباع معصیت ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو معصیت تو درکنار عزم اور ارادۂ معصیت سے بھی بچاتا ہے۔ ان کی قلبی کیفیات اور عواطف رجحانات کی بھی مکمل طور پر حفاظت و نگرانی فرماتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں فرمایا ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اپنی برہان دکھا کر انہیں قصد معصیت سے بھی محفوظ رکھا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا۔ لقد کدت ترکن الیھم شیئًا قلیلاً۔ یعنی اگر ہم آپ کو بچائے نہ رکھتے۔ تو آپ قریب ہوگئے تھے۔ کہ ان کی طرف کچھ تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔ یہی "برہانِ رب" اور "تثبیت خداوندی" "عصمۃ نبوۃ" ہے۔

عصمۃ حجیۃ حدیث کی دلیل ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس عظیم الشان حفاظت و عصمۃ اور نگرانی کی وجہ یہی ہے۔ کہ وہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں۔ کہ ان کے اقوال و افعال اور سیرت و حال کو حجت شرعیہ سمجھ کر ان کی اتباع اور اطاعت کی جائے۔

زلۃ النبی) عصمۃ نبوۃ پر کلام کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق قرآن مجید کی جن دو آیتوں سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ ان کی روشنی میں زلۃ النبی کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔ لغت میں زلّۃ کے معنی لغزش ہیں۔ زیر بحث عنوان میں لفظ زلّۃ سے اللہ تعالیٰ کے نبی کا وہ کام اور وہ حال اور کیفیت مراد ہے۔ جو بلحاظ منصب نبوۃ (بظاہر) خلاف اولیٰ ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ خطرۂ قلبیہ (مع الامتناع عن المعصیۃ) زلّۃ تھا جسکے فورًا بعد "برھان ربہ" یعنی عصمت الٰہیہ کا ظہور عمل میں آیا۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (مع الکراھۃ القلبیہ) قریش کی طرف کچھ تھوڑا سا مائل ہونے کے قریب ہونا بھی ایک قسم کی زلّۃ تھا۔

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تثبیت یعنی عصمۃ ایزدی کی شان ظہور میں آئی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے صدورِ زلّہ کے معًا بعد عصمۃ الٰہیہ کا ظاہر ہونا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے زلاّت کا صدور نہ ہوتا۔ تو شانِ عصمۃ کا ظہور بھی محقق نہ ہوتا۔ ایسی صورت میں زلّہ کو عصمۃ کے خلاف قرار دینا قرآن مجید سے بے خبر اور غافل ہونے کی دلیل ہے۔

زلاّت کے مسئلہ میں جمہورِ امت کا موقف) اس مسئلہ میں عہدِ رسالت سے لیکر آج تک جمہورِ امّت مسلمہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ کہ زلاّت انبیاء از قبیل حسنات الابرار سیّئات المقربین" ہیں۔ اور جہاں انہیں عصیان یا لفظ توبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہاں محض مماثلت صوریہ کی وجہ سے ہے۔ جیسے "عصی آدم ربہ فغوی" یہاں عصیان اور غوایت صورۃً مراد ہے حقیقۃً نہیں۔ جس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وعھدنا الیٰ آدم فنسی ولم نجد لہ عزما۔ ظاہر ہے کہ عزم کے بغیر کوئی فعل معصیت نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ تعبیر ایسی ہے۔ جیسے جزاء سیّئۃ سیّئۃ مثلہا میں برائی کے بدلہ کو بھی برائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ برا نہیں ورنہ اس کا مشروع ہونا محال قرار پائے گا۔ جو بداہۃً باطل ہے۔

اور نہ سہی! انہی دو آیتوں میں زلّہ کی حقیقت کا جائزہ لے لیجئے۔ غیر اختیاری خطرۂ قلبیہ کے باوجود یوسف علیہ السلام کا برائی سے باز رہنا کتنی بڑی نیکی ہے۔ اسی طرح بے اختیار خیال پیدا ہو جانے کے باوجود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریش کی طرف "تھوڑا سا جھکنے سے بھی قلبی کراہت کا احساس فرمانا" کیسی عظیم خوبی اور طاعت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا خلافِ اولیٰ ہونا محض منصبِ نبوت کے لحاظ سے ہے۔ جو عصمۃ کے خلاف نہیں بلکہ علوِ شانِ نبوت کی دلیل ہے۔

عتابِ الٰہی حجیّتِ حدیث کے منافی نہیں رہا یہ امر کہ رسل و انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب کیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ (معاذ اللہ) ان کے بعض کام اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھے۔ ایسی صورت میں ان کا حجّتِ شرعیہ ہونا۔ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم تفسیر روح المعانی کی ایک عبارت اور مختصر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو طالبِ حق کے لئے موجبِ بصیرت ہے۔

علّامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی اپنی معرکۃ الآراء تفسیر روح المعانی میں ارقام فرماتے ہیں۔

واما معاتبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بعض ما صدر منہ فلیس لنقص فیہ ولا لاخلال بالادب عن فعلہ حاشاہ ثم حاشاہ ولکن لاسرار خفیۃ وحکم ربانیۃ علمہا من علمہا وجہلہا من جہلہا انتہی (روح المعانی پ ۲ ص ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض کاموں پر اللہ تعالیٰ کا معاتبہ کسی نقص یا اخلاف ادب کی وجہ

سے ہرگز نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پاک ہیں۔ لیکن یہ معاتبۂ اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار اور باریک حکمتوں کی وجہ سے تھا۔ جاننے والوں نے انہیں جانا اور نہ جاننے والے اُن سے بےخبر ہیں۔ انتہی۔

عتابِ خداوندی مبنی برحکمت ہے

معاتبۂ الٰہیہ میں محققین صوفیہ کے طریق پر اہلِ حق اور صاحبانِ ذوق کے لئے سیدی عبدالعزیز دباغ مصری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام قابل دید ہے۔ لیکن مخالفینِ سنت کو اس سے کیا سروکار؟ انہوں نے تو قرآن مجید کی بھی اُن تمام آیات کو پسِ پشت ڈال دیا۔ جن کی روشنی میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادِ مخلصین اور مکرمین ومحبوبین ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اور ان سب تصریحاتِ قرآنیہ کو نظرانداز کردیا۔ جو اس بات کی قطعی دلیل ہیں۔ کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے مزکی ومربی، حاکم ومطاع اور شارع ہوتا ہے۔ اور صرف ان آیات کو سامنے رکھ لیا۔ جن میں حکمِ غامضہ واسرارِ خفیہ بالخصوص کمال قرب ومحبوبیت کی بناپر بصورتِ عتاب محبت آمیز خطاب وارد ہے۔ اے کاش اگروہ لوگ طالبِ حق ہوکر سیاق وسباق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُن آیات میں صحیح غور وفکر سے کام لیتے تو اُن پر ہمارے اس بیان کی صداقت واضح ہوجاتی۔ جسے ہم نے اس مختصر مضمون میں بخوفِ طوالت جامعیت کے ساتھ چند سطروں میں قلمبند کیا ہے۔

آیۂ کریمہ یاایہا النبی لم تحرم کی بحث

مثال کے طور پر صرف آیۂ کریمہ پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم۔ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم واللہ مولٰکم وھو العلیم الحکیم ۝ سورہ تحریم پ ۲۸ ع۔

اِن دونوں آیتوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے۔ کہ

اے نبی محترم! آپ اس چیز کو (اپنے لئے) کیوں حرام فرماتے ہیں؟ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کردیا۔ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (اے ایمان والو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھول دینا مقرر فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔ اور علیم وحکیم ہے۔

ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "زلّۃ" یعنی لغزش اور اس پر معاتبۂ الٰہیہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن ان کے سیاق وسباق کو سامنے رکھئے۔ اور پھر ہمارے بیانِ سابق کی تصدیق کیجئے۔ لم تحرم ما احل اللہ لک۔ نہایت ہی محبت آمیز خطاب ہے۔ جو بصورتِ عتاب نازل ہوا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یاایھا النبی کو پیشِ نظر رکھئے۔ نبی وہ ذاتِ مقدسہ ہے۔ جو وصفِ نبوت سے متصف ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ کہ وصفِ نبوت۔ قربِ الٰہی۔ محبوبیتِ ایزدی۔ کمالِ عبدیت اور صدیقیت وصالحیتِ عظمیٰ کا منتہیٰ ہے۔ بلکہ

بنی نوع انسان کے لئے اس سے زیادہ عزت وعظمت اور کرامت کا کوئی درجہ نہیں اگر کسی برائی کے ارتکاب پر سرزنش کرنا اور عتاب فرمانا ہی مقصود ہوتا۔ تو اس کا آغاز یاایھاالنبی سے نہ کیا جاتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بالکل ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک مالک اپنے سرکش اور بے ادب غلام کو اس کی بے ادبی اور نافرمانی پر سرزنش کرتے ہوئے کہے۔ اے میرے مکرم ومحترم فرمانبردار محبوب، مہذب اور مؤدب غلام تو نہایت سرکش اور بدتمیز ہے۔ تجھے کیا حق ہے۔ کہ دوسروں کی وجہ سے تو میرے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے"

دنیا کا کوئی عاقل اس قسم کے کلام کو کسی عاقل کا کلام قرار نہیں دے سکتا۔ معلوم ہوا۔ کہ یاایھاالنبی۔ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ لم تحرم سرزنش یا محض عتاب نہیں۔ بلکہ بصورت عتاب محبت آمیز خطاب ہے۔ پھر یہ کہ ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تدبر کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال محبوبیت کا اظہار ہی مقصود ہے۔ اس لئے کہ محبوب کا محض کسی کی خاطر اپنی محبوب چیز کو چھوڑ دینا محب کے لئے گوارا نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے مسند نبوت کو زیب دینے والے محبوب! آپ کی جو محبوب چیز ہم نے آپ کے لئے حلال فرمائی۔ آپ کو کیا ضرورت ہے۔ کہ محض کسی کیلحاظ آپ اسے اپنے لئے حرام فرمالیں۔ یعنی آپ ہمارے ایسے محبوب ہیں۔ کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے آپ کو جو تکلیف ہو سکتی ہے۔ وہ بھی ہمیں گوارا نہیں۔

آیتہ زیر بحث اور حسن معاشرۃ زیر نظر آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن خلق، گھریلو زندگی میں حسن معاشرت پر ان لوگوں کی نظر نہیں پڑتی۔ تبتغی مرضات ازواجك۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں محاسن اخلاق اور کمال حسن معاشرت کا ہمیشہ روشن رہنے والا مینار ہدایت ہے۔ جسے محض زلّہ وعتاب کے تصورات کے پردوں میں چھپانے کی سعی ناتمام کی گئی ہے۔ مگر واللہ غفور رحیم نے ان سب پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا۔ اور اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ کہ دوسرے لوگ ذمائم اخلاق، قبیح معاشرہ اور (اپنی راحت کے لئے) ازدواجی حقوق کو پامال کرنے کی وجہ سے میری رحمت ومغفرت کے محتاج ہوتے ہیں۔ لیکن میرے نبی محترم کا یہ مقام ہے۔ کہ وہ اپنے خلق عظیم کے باعث اپنی ازواج کی رضاجوئی میں اپنی خوشی ورضا کو چھوڑ کر حسن معاشرہ کی انتہا کر دینے کے باعث میری رحمت ومغفرت کا عزور تمند ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مزید غور وفکر کے بعد معلوم ہوگا کہ زیر بحث آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس فعل مبارک کو زلّہ اور موجب عتاب کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے حکم شرع قرار دیدیا۔

تحریم مباح کی شرعی حیثیت | دیکھئے قرآن مجید میں "لم تحرم ما احل اللہ لک" وارد ہے۔ جس کی دلالت صرف تحریم مباح پر ہے۔ اس کلام میں قسم، یمین یا حلف مذکور نہیں لیکن اس کے باوجود ارشاد ہوا۔ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مشروع فرما دیا (جس کی تفصیل سورۂ مائدہ پ۷ ع۱ میں ہے) جہاں صرف ایمان کا بیان ہے تحریم مباح یعنی یمین مذکور نہیں) یہاں لفظ تحلۃ ایمانکم اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قسم کی بجائے تحریم مباح کا جو فعل سرزد ہوا۔ ہم نے اس کی نوعیت کو نہیں بدلا۔ بلکہ جس طرح ہمارے نبی نے اسے یمین کے قائمقام کیا تھا۔ ہم نے اسی طرح اُسے برقرار رکھا۔ اب اسکے بعد اگر کوئی شخص کسی مباح کو اپنے اوپر حرام کرے۔ تو شرعاً وہ یمین اور قسم ہی ہے جس کا کھولنا ہم تمہارے لئے (اس سے قبل سورۂ مائدہ میں) مشروع فرما چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ یمین اور کفارہ کے احکام تو قرآن مجید میں نازل ہو چکے تھے۔ مگر تحریم مباح کا یمین ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی فعل مبارک پر مبنی کیا گیا۔ اگر فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل مبارک اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاذ اللہ ناپسندیدہ ہوتا۔ تو اُسے حکم شرعی کی حیثیت دے کر برقرار رکھنے کی بجائے کالعدم اور بے معنی قرار دیکر اس کی مذمت فرمائی جاتی۔ لیکن مذمت کی بجائے فرمایا۔ واللہ مولٰکم وھو العلیم الحکیم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ علیم حکیم ہے۔ اس کی محبت ونصرت کا مقتضیٰ یہی ہے۔ کہ اس کے علم وحکمت کے مطابق جس کام میں تمہارے لئے بہتری ہو۔ اسی کو تمہارے لئے حکم شرعی بنا دے۔ جیساکہ تحریم مباح کو یمین قرار دے کر اُسے شرعی حکم بنا دیا۔

حکمت زلّت) مخالفین سنت اپنے خود ساختہ مرکزِ ملّت کو رسالت کا درجہ دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ مگر اللہ کے رسول اور اس کی سنتِ مقدسہ کا وزن گھٹانے کے لئے زلّات انبیاء علیہم السلام کو بھی اُن کے حق میں موجبِ تنقیص قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ہم بار بار عرض کر چکے ہیں۔ کہ ان کا صدور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر مبنی تھا۔ جن کا احصا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ بطور مثال ایک حکمت یہ بھی ہے۔ کہ گنہگار اور معصیت شعار لوگوں کے لئے توبہ واستغفار کا بہترین نمونہ صدور زلات پر موقوف تھا۔ گویا مذنبین ومجرمین کو یہ تعلیم دینا مقصود تھی۔ کہ انبیائے کرام علیہم السلام جس طرح زلّات اور بظاہر خلافِ اولیٰ امور کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرتے ہیں اسی طرح تم اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ خوف خداوندی اور خشیت الٰہیہ سے اُن کے قلوب مملو ہیں۔ توبہ واستغفار اُن کا مشغلہ ہے۔ ایسی صورت میں گنہگاروں کو بطریق اولیٰ خدا کا خوف اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھ کر توبہ واستغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔

مختصر یہ کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کے مقتضیٰ کی تکمیل حکمت زلّت ہے۔

حکمت عتاب) جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ کہ یہ عتاب اسرار و حکم پر مبنی ہے۔ اِن میں سے ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ عتاب کی وجہ سے لوگوں کو تنبیہ ہو جائے۔ کہ جب وحی الٰہی میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دینے کا محض خیال آنا صاحب وحی یعنی رسول کے حق میں زلّت اور سبب عتاب ہے۔ تو اسکی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر خدا کی وحی کو محض اپنی عقل ناقص کے حوالہ کر دینے سے جو عظیم غلطی ہو گی۔ وہ کیسے عذاب الیم کا موجب قرار پائے گی؟

ضروری انتباہ) اگرچہ بیان سابق میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ کہ زلّات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان پر عتاب محض صورۃً ہے۔ لیکن بعض حضرات کی غلط فہمی کو زائل کرنے کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت درپیش ہوئی اور وہ یہ کہ زلّتہ کا صدور طبعی کجروی کی بنا پر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے پاک ہیں اِس لئے زلّت کا صدور ممکن نہیں۔

انبیاء کی زلّۃ محض صورۃً ہوتی ہے| عام انسانوں کے حق میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہرگز درست نہیں۔ بجز اس کے کہ انبیاء کا قیاس غیر انبیاء پر کر لیا جائے۔ وھو باطل قطعاً۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بواطن شریفہ ہر قسم کی کجروی سے قطعاً پاک ہیں۔ لیکن اِسکے باوجود ان سے کسی ایسے فعل کا صدور جو صورۃً زلّۃ ہو بربنائے حکمت ہوتا ہے۔ دیکھیئے نسیان بھی زلّۃ کے اقسام سے ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں فی الجملہ وہ ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ " سنقرئك فلا تنسىٰ الا ما شاء اللہ" اور حدیث شریف میں ہے۔ " انسی کما تنسون ،، لیکن اس کے باوجود ہمارا نسیان بربنائے غفلت محضہ ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسیانِ مبارک بربنائے حکمتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لئے زبانِ رسالت نے ارشاد فرمایا۔ " الست انسی ولکن انسی " وفی روایۃ " انی لا انسیٰ ولکن انسیٰ لاسن لکم" یعنی میں خود اپنی طرف سے نہیں بھولتا کیونکہ میں اس غفلت سے پاک ہوں جو تمہارے اندر پائی جاتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں بھلایا جاتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لئے بھولنے کے مسائل کو شروع کر دوں۔ لہٰذا یہ سمجھنا درست نہ ہو گا۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زلّتہ اور غیر انبیاء کی لغزش کا مبنیٰ ایک ہی ہے۔ اس مختصر بیان سے ہر ایک کا منشاء علیحدہ ہونا واضح ہو گیا۔ اور اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہو گئی۔ کہ نبی اور غیر نبی کے اکثر وہ احوال جو صورۃً ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں حقیقت کے اعتبار سے قطعاً جداگانہ اور متباین ہوتے ہیں۔

ہر فعلِ رسول وحی الٰہی کی اتباع ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کا ہر فعل وحی خداوندی کی اتباع ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ ان اتبع الا ما یوحیٰ الی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول اور نطق وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ حضور کا نطقِ مبارک وحی الٰہی میں منحصر ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں نطقِ رسول سے محض تلاوتِ آیاتِ قرآنیہ مراد لینا ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ الفاظ قرآن کے تلفظ اور ان کی ادائیگی کو قرآن میں صرف لفظِ تلاوت یا قرأت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔ اقرأ باسم ربك الذی خلق اور فاقرؤا ما تیسر من القرآن نیز فرمایا یتلوا علیھم آیاتہ اور واذا تلیت علیھم آیاتنا۔

آیۃ وما ینطق عن الھویٰ میں نطقِ رسالت مراد ہے قرآن مجید میں ایک آیۃ بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس میں ان دو لفظوں کے علاوہ کوئی ایسا لفظ وارد ہوا ہو۔ جس سے قطعاً اور یقیناً قرآن پڑھنے کے معنی مراد ہوں۔ لہٰذا یہاں نطق سے نطقِ رسالت مراد ہے۔ جسے وحی الٰہی سے خارج کر کے اس آیۃ کو صرف تلاوتِ قرآن پر حمل کر دینا قرآن کی روشنی میں غلط ہے۔

رہے وہ اقوال و افعال جو بشریت کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوئے۔ ہم اس سے پہلے ان پر کلام کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں۔ کہ وہ سب وحی الٰہی کے عین مطابق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیۂ کریمہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ عصمۃ نبوۃ کی روشن دلیل ہے۔ اور ان اتبع الا ما یوحیٰ الی کے ساتھ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال وحی خداوندی کے مطابق ہونے کی وجہ سے حجتِ شرعیہ ہیں۔ اور ان کی حجیّت کا انکار گویا ان دونوں آیتوں کا انکار ہے۔

آیۃ کریمہ لیس لک من الامر شیٔ کی بحث اس مقام پر منکرین عصمت اور مخالفین سنت کی طرف سے ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ ہم اختصار اور جامعیت کے ساتھ وہ اشکال اور اس کا حل صاحبِ روح المعانی کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

ایک قوی اشکال اور اس کا حل علامہ موصوف سورۂ آل عمران کی آیت لیس لك من الامر شیٔ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون کے تحت فرماتے ہیں۔

واستشکلت ہٰذہ الآیۃ بناءً علی انہا تدل علی ما فی بعض الروایات علی انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان فعل فعلاً و منع منہ بانہ انکان ذٰلک الفعل

من اللہ تعالیٰ فکیف منعہ منہ وان لم یکن فہو قادح بالعصمۃ ومناف لقولہ تعالیٰ وما ینطق عن الہویٰ واجیب بان ما وقع کان من باب خلاف الاولیٰ نظرا الی منصبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والنھی المفہوم من الکلام من باب الارشاد الی اختیار الافضل ولا یعد ذٰلک من الہویٰ فی شیٔ بناءً علی القول بانہ یصح للنبی ان یجتہد ویعمل بما ادی الیہ اجتہادہ الماذون بہ ویجوز ان یکون ذٰلک الفعل نفسہ عن وحی واذن من اللہ تعالیٰ لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان النہی عن ذٰلک کان نسخاً لذٰلک الاذن وایاما کان لا ینافی العصمۃ الثابتۃ للانبیاء علیہم السلام فافہم روح المعانی پ۴ صہ۴۵ طبع قدیم مصر۔

اِس عبارت کا خلاصہ یہ ہے ۔کہ

آیت کریمہ (لیس لک من الامر شیٔ الایہ) ان بعض روایات کی بنا پر محل اشکال ہے ۔جن میں وارد ہوا ۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا کام کیا جس سے حضور روک دیئے گئے (وہ کام یہ تھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب بئر معونہ کے قاتلین مشرکین پر دعائے ضرر فرمائی) اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لیس لک من الامر شیٔ نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے روک دیا۔

اشکال یہ ہے ۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل اگر وحی الٰہی سے تھا ۔تو اس سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو کیسے روکا ؟ اور اگر وحی الٰہی سے نہ تھا ۔تو وہ فعل عصمۃ میں قادح ہوگا ۔اور اللہ تعالیٰ کے قول وما ینطق عن الھویٰ کے منافی قرار پائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے ۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ صادر ہوا وہ (فی الواقع نہیں بلکہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم منصب رسالت کے اعتبار سے خلافِ اولیٰ تھا ۔اور کلام الٰہی لیس لک من الامر شیٔ سے جو نہی مفہوم ہوتی ہے ۔ وہ خلاف اولیٰ کے بجائے افضل کو اختیار کرنے کی طرف رہنمائی کے قبیل سے ہے ۔یعنی آپ اس فعل کو اختیار فرمائیں جو

آپ کے منصب جلیل کے شایانِ شان ہے۔

اِس قسم کے افعال کو خواہش نفس سے دور کا بھی تعلق نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ بات جائز ہے۔ کہ حضور اجتہاد فرمائیں۔ اور اپنے اس اجتہاد کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن دے دیا گیا ہے۔

اور یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل بعینہ وحی خداوندی اور اذن الٰہی سے تھا۔ اور یہی اس کے لئے ناسخ تھی۔ بہر صورت حضور کا یہ فعل اور اللہ تعالیٰ کی نہی اس عصمت نبوت کے قطعاً منافی نہیں۔ جو دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، فافہم انتھی۔

اول تو اشکال کا ورود ہی بربنائے روایات ہے۔ جنہیں منکرین حدیث تسلیم نہیں کرتے۔ ثانیاً یہ کہ روایات کو پیش نظر رکھنے کے بعد بھی یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی نے جواب دیتے ہوئے دو باتیں بیان فرمائیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں میں دوسری بات راجح ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب زلّت ہے۔ اور زلّت پر ایک مہینے تک قائم رہنا مستبعد ہے۔

صدورِ زلّت اور ظہورِ عصمت زلّات انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ کہ صدورِ زلّت کے معاً بعد عصمتِ الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ جیسا کہ ہم سابقاً تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر یہ کہ خود قرآن شاہد ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل اتباع وحی الٰہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا قل انما اتبع ما یوحیٰ الی من ربی۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے۔ کہ میرا کسی کام کو کرنا۔ اور اس سے رکنا سب کچھ وحی الٰہی کی اتباع میں ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ جب وحی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تو ایک مہینے تک زلّت پر قائم رکھنا الوہیت اور رسالت دونوں کی شان سے بعید ہے۔ لہٰذا یہی قول راجح ہوگا۔ کہ اس عرصۂ طویلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعائے ضرر پر باقی رکھنا یقیناً حکمتِ خداوندی اور وحی الٰہی کے عین مطابق تھا۔ ایسی صورت میں یہ فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں خلاف اولیٰ اور زلّت ہونے کی بجائے تعبدی قرار پائے گا۔ اور یہی کہنا صحیح ہوگا۔ کہ علمِ الٰہی میں جب اس فعل کے ساتھ تعبد کا زمانہ ختم ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے لیس لک من الامر شئ

نازل فرما کر اس حکم کی انتہا ظاہر فرما دی۔ اور اسی بیان انتہائے تعبد کو نسخ کہتے ہیں۔

لیس لک من الامر شیٔ سے حضور کے اختیارات کی نفی ثابت نہیں ہوتی

رہا یہ امر کہ روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے آیت کریمہ لیس لک من الامر شیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات کی نفی کرتی ہے۔ جس سے حضور کی تشریعی حیثیت برقرار نہیں رہتی کیونکہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے مطلقاً ہر شیٔ کے اختیار کی نفی وارد ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو کسی شے کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ ایسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تشریعی اختیارات کیونکر باقی رہیں گے؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ لیس لک من الامر شیٔ میں امر نہیں۔ بلکہ الامر ہے اور لفظ شیٔ۔ من الامر کی قید سے مقید ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے۔ کہ ایسے امر سے آپ کے لئے کوئی شے نہیں جو مالک السموات والارض کے امر سے معارض اور اس کے منافی ہو۔ اسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لئے اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا۔ وللہ ما فی السموات وما فی الارض یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء۔ یہاں علامہ خازن نے فرمایا۔ یحکم فیھم بما یشآء لا منازع لہ فی حکمہ ولا معارض لہ فی فعلہ۔

ظاہر ہے۔ کہ امر خداوندی کے خلاف کسی کے لئے کوئی امر ثابت ہونا عقلاً و شرعاً محال ہے۔ پھر اسی آیت میں او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون کے الفاظ بھی ہمارے مدعا پر دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی اگر اللہ کا امر یہ ہو کہ بر بنائے علم و حکمت وہ ان (مشرکین) پر رجوع برحمت ہو۔ تو آپ کے لئے اس امر کے خلاف ان کی تعذیب کا امر ثابت نہیں۔ اور اگر امر الٰہی یہ ہو کہ ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دے۔ تو آپ کے لئے اس کے برعکس یہ امر ثابت نہیں۔ کہ آپ انہیں مرحوم و مغفور فرما دیں۔

اظہار حقیقت کی حکمت اس حقیقت کے اظہار کی حکمت یہ ہے۔ کہ انبیائے سابقین کی امتوں نے اپنے رسولوں کے حق میں ان کے کمالات و معجزات کی بنا پر بعض ایسے امور کو ان کے لئے ثابت مان لیا۔ جن سے ان کی الوہیت لازم آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اس سوء اعتقاد سے بچانے کے لئے اس حقیقت کو ظاہر فرما دیا۔ اور اس کی بکثرت مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جنہیں بخوف طوالت ہم ذکر نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ من الامر شیٔ کے الفاظ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہیں۔ کہ یہاں مطلقاً ہر شے

کے اختیار کی نفی نہیں کی گئی۔ کیونکہ لیس لک من الامر شیٔ میں لک۔ لیس کی خبر ہے۔ اور شیٔ اس کا اسم ہے۔ اور من الامر صفت متقدمہ ہونے کی وجہ سے شیٔ سے حال واقع ہوا ہے۔ اور او یتوب علیہم۔ الامر پر معطوف ہے۔ یا بتقدیر اَن اس کا عطف شی پر ہے۔ دونوں صورتوں میں حاصل کلام یہ ہے۔ کہ لیس لک شیٔ حال کونہ من الامر (المعہود) او التوبۃ علیہم او تعذیبہم۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ تو آپ کے لئے ان کی تعذیب کا امر نہیں۔ اور اگر امرِ الٰہی ان کے حق میں تعذیب ہو۔ تو اس کے خلاف آپ کے لئے ان پر رحم فرمانے کا امر ثابت نہیں یا اُسے لیقطع طرفا یا فینقلبوا خاسرین پر معطوف مان کر لیس لک من الامر شیٔ کو جملۂ معترضہ قرار دیدیا جائے۔ اسی طرح "او" کو بمعنی "حتیٰ" یا "الا ان" کہا جائے۔ بہر صورت آیہ کریمہ کا مفاد وہی ہے۔ جو عرض کیا گیا۔ کہ ہماری مشیّت کے خلاف ہمارے فعل کے منافی اور ہمارے امر کے معارض آپ کے لئے کچھ ثابت نہیں۔

امرِ تشریعی امرِ الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا

منکرین سنت کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ امرِ تشریعی امرِ الٰہی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا تحقق وحیِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ اور اِسی لئے وہ امر بعینہٖ امرِ خداوندی قرار پاتا ہے۔ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک ساری امتِ مسلمہ کے نزدیک اس آیتِ کریمہ کے یہی معنی ہیں۔ اب اگر منکرین سنت یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً ہر شئے کے اختیار کی نفی کی گئی ہے۔ تو وہ قرآن مجید ہی کو حَکَم مان لیں۔ قرآن جو فیصلہ صادر کرے۔ اُسے تسلیم کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات میں قرآنی فیصلہ

قرآن فرماتا ہے۔ و ما کان لمؤمن و لا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم۔ اس آیت مبارکہ میں اذا قضی اللہ و رسولہ کے الفاظ امتِ مسلمہ کے اس دعوے کی قطعی دلیل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں کی یہی شان ہے۔ کہ ان کے حکم اور اختیار کے سامنے کسی مومن اور مومنہ کے لئے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

قرآن کی دوسری آیت میں وارد ہے۔ و امرأۃ مؤمنۃ ان وہبت نفسہا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحہا خالصۃ لک من دون المؤمنین (احزاب)

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امرأۃ واہبہ کے ساتھ نکاح کرنے کا خصوصی اختیار اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ کلام پاک کی تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجی من تشاء منھن و تؤوی

الیک من تشآء ومن ابتغیت ممن عزلت فلاجناح علیک (سورہ احزاب)

ازواج مطہرات میں سے جسے حضور چاہیں علیحدہ رکھیں۔ اور جسے چاہیں اپنی طرف جگہ دیں۔ جنہیں علیحدہ رکھا تھا۔ اُن میں سے کسی کو طلب فرمائیں۔ آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

اِن آیات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ لیس لک من الامر شیٔ سے اسی امر معہود کی نفی مراد ہے۔ جو امرِالٰہی کے معارض اور مشیّتِ ایزدی کے خلاف اور حکمِ خداوندی کے منافی ہو۔ مخالفینِ سنت کا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں مطلقاً اختیار کی نفی ثابت کرنا اس قرآنی فیصلہ کی روشنی میں قطعاً باطل ہے۔

بحثِ رجم
منکرینِ سنت کے دلائل کا تجزیہ

مخالفینِ سنت حکم ”رجم“ کو خلافِ قرآن کہتے ہیں۔ اور اس کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ جب قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ تو یہ زیادت علی القرآن ہونے کی وجہ سے یقیناً قرآن کے معارض ہوگا۔ اسے حکمِ خداوندی قرار دینا خدا تعالیٰ پر افترا اور بہتان ہے۔ پھر یہ قرآن مجید کی نصِ قطعی الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ کے عموم کے بھی صریحاً منافی ہے۔ نہ شرعاً اس رجم پر کوئی دلیل قائم ہے۔

بلکہ اگر رجم محصن کو حکمِ قرآنی قرار دیا جائے۔ تو قرآن کی روشنی میں وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں شادی شدہ زانیہ باندی کی سزا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ محصنات خاوند والی عورتوں کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآنِ پاک میں فرمایا۔ والمحصنٰت من النساء اور احصان کے معنی شادی شدہ ہونے کے ہیں۔ اس کی دلیل اسی آیت میں موجود ہے۔ فاذا احصن یعنی جب وہ باندیاں خاوند والیاں ہو جائیں۔

ثابت ہوا۔ کہ محصنات خاوند والی عورتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محصنات کی نصف سزا شادی شدہ باندیوں کے لئے مقرر فرمائی۔ اب اگر محصن یا محصنہ مرتکب زنا کی سزا رجم ہو۔ تو اس کی تنصیف کیسے ہوگی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ زنا کی سزا ہر صورت میں سو کوڑے ہی ہیں۔ جن کا نصف پچاس ہوتے ہیں۔ اور وہی پچاس کوڑے ارتکاب زنا کرنے والی شادی شدہ باندی کی سزا ہے۔

علاوہ ازیں انسان کو سنگسار کرنا اس مہذب دور میں انتہائی وحشت بربریت اور بے رحمی کا مظاہرہ ہے۔ جو روحِ اسلامی کے قطعاً منافی ہے۔

اس کے جواب میں سب سے پہلے ہم مخالفینِ سنت کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ترتیب وار

ہر جزو کا جواب ہدیہ ناظرین کریں گے۔ استدلال مذکور کا تجزیہ کرنے کے بعد حسبِ ذیل اجزاء سامنے آتے ہیں۔

(۱) حکم رجم چونکہ قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ اس لئے وہ زیادت علی القرآن ہے۔ اور جو چیز قرآن پر زائد ہو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔

(۲) الزانیۃ والزانی عام ہے۔ اور اس کے عموم میں محصن وغیر محصن سب شامل ہیں۔ لہٰذا سب کی سزا مائۃ جلدہ قرار پائے گی۔ شادی شدہ کے لئے رجم کی سزا ماننا عموم آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گا۔

(۳) ثبوتِ رجم پر شرعاً کوئی دلیل قائم نہیں۔ اس لئے اسے حکم شرعی تسلیم کرنا باطلِ محض ہو گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شادی شدہ زنا کرنے والی باندیوں کی جو سزا بیان فرمائی ہے۔ وہ محصنات کے عذاب کا نصف ہے۔ اب اگر محصنہ کی سزا رجم قرار دی جائے۔ تو اس کی تنصیف ناممکن ہونے کی وجہ سے یہ آیت ناقابلِ عمل ہو گی۔ اور یہ صراحۃً باطل ہے۔

(۵) انسان کو سنگسار کرنا انتہائی بے رحمی اور مہذب معاشرہ میں وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہے۔ جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

ہر جزو کا علی الترتیب جواب اس تجزیہ کے بعد ہر جزو کا جواب علی الترتیب ہدیہ ناظرین ہے (۱) حدیث میں قرآن سے کسی مضمون کے زائد ہونے کو قرآن کے خلاف کہنا اصل فاسد ہے۔ جس پر منکرین سنت نے رجم محصن کے انکار کی بنیاد رکھی ہے۔ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے۔ تو میں اُن سے دریافت کروں گا۔ کہ اوقات صلوٰۃ۔ تعداد رکعات۔ ہیئت اقامت صلوٰۃ کا بیان قرآن مجید میں کہاں وارد ہے؟ کیا یہ سب کچھ احادیث اور تعامل مسلمین سے ثابت نہیں؟ پھر اپنی اسی اصل فاسد کی بنا پر ان سب امور کو بھی (جو درحقیقت قرآن کی تفسیر ہیں) قرآن کے خلاف کہہ دیجئے۔ اور اگر کوئی بیباک اس کو خلاف قرآن کہنے کی جرأت کر بیٹھے۔ تو پھر اسی کو بتانا ہو گا۔ کہ حکم قرآنی اقیموا الصلوٰۃ پر عمل کرنے کی کیا صورت ہے؟

پہلی دلیل کا جواب زائد علی القرآن اور معارض قرآن میں فرق ہے منکرین حدیث اگر ایسی چیز کو قرآن کے معارض کہیں۔ جو زائد علی القرآن ہو اور وحی الٰہی نہ ہو۔ تو اُن کی یہ بات کسی حد تک قابل قبول ہو سکتی ہے۔ لیکن سنت نبوی میں جو احکام زائد علی القرآن پائے جاتے ہیں۔ وہ وحی الٰہی کا غیر نہیں۔ بلکہ وہ سب

وحی الہٰی ہیں۔ قبل ازیں ہم قرآن مجید ہی سے اِس دعوے کو ثابت کر چکے ہیں۔ کہ خدا کی وحی قرآن میں منحصر نہیں۔ بلکہ حدیث بھی وحی الہٰی ہے۔ جس کے بغیر تعلیم کتاب ممکن نہیں۔

حدیث نبوی کے وحی خداوندی ثابت ہو جانے کے بعد یہ بات قطعاً باطل ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث میں جو بات قرآن سے زائد ہو وہ قرآن کے معارض ہے۔ ایک ادنیٰ عقل رکھنے والا انسان بھی اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر ایک وحی میں کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے۔ جو دوسری وحی میں نہیں ہے۔ تو اُسے اِس دوسری وحی کے منافی قرار دینا صحیح نہیں۔ ورنہ قرآن مجید کی وہ سب سورتیں اور آیتیں ایک دوسرے کے معارض ہو جائیں گی جن میں متغایر احکام وارد ہیں۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ جمیع احکام قرآنیہ ایک ہی سورت یا آیت میں مذکور نہیں۔ ایسی صورت میں آیات و سور قرآنیہ کو باہم مخالف و متعارض تسلیم کرنا پڑیگا۔ جو بداھتہً باطل ہے۔ بالکل اسی طرح اُن احادیث کا بھی قرآن کے خلاف ہونا باطل محض ہے۔ جن میں بعض ایسے احکام وارد ہوئے۔ جو قرآن مجید میں مذکور نہیں۔

زیادۃ یا تغائر تعارض کو مستلزم نہیں مخالفین سنت نے آج تک اِس حقیقت کو نہیں سمجھا۔ کہ ایک چیز کا دوسری چیز پر زائد ہونا یا اُن دونوں کا باہم متغائر ہونا ان کے متعارض ہونے کو مستلزم نہیں۔ تعارض تو اُسی وقت ہو گا جبکہ ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو مستلزم ہو۔ یا ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے۔

قرآن کی ہر آیت وحی الہٰی ہے۔ لیکن اکثر آیاتِ قرآنیہ ایسی ہیں۔ کہ ایک آیت میں جو حکم وارد ہے دوسری میں وہی حکم زیادۃ تفصیل کے ساتھ وارد کیا گیا۔ مثلاً سورۂ نور میں فرمایا۔ انما المومنون الذین اٰمنوا باللّٰہ ورسولہ اس آیت میں مومنین کا حصر اُن لوگوں میں کیا گیا۔ جو اللّٰہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اس کے سوا اور کوئی تفصیل یہاں مذکور نہیں۔ لیکن سورۂ نساء میں فرمایا۔ ومن یکفر باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالاً بعیداً یہاں ملائکہ کتب و رسل اور یوم آخر کے بیان کو زیادہ کیا گیا۔ اِس زیادت کی وجہ سے مخالفین سنت کے نزدیک یہ دونوں آیتیں متعارض ہونگی؟ علیٰ ہٰذا لقیاس وہ آیات بھی بکثرت ہیں جن میں متغایر احکام نازل ہوئے۔ مثلاً ایک آیت میں وارد ہوا۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ تم میں سے جو رمضان کے مہینے میں حاضر ہو۔ وہ ماہ مبارک کے روزے رکھے۔ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا۔ فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر۔ جو شخص مسافر یا مریض ہونے کی وجہ سے رمضان میں روزہ نہ رکھ سکا۔ وہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں روزے رکھے۔ دونوں آیتیں خدا کی وحی ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم دوسرے سے متغائر ہے۔

مخالفین سنت کو چاہئیے۔ کہ ان دونوں آیتوں کو بھی باہم تعارض کہیں۔

مخالفین سنت کا زعم باطل اور اگر مخالفین سنت اپنی بات پر مصر ہوں۔ کہ جو بات قرآن میں مذکور نہیں۔ وہ بہر صورت قرآن کے مخالف ہے۔ تو میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا۔ کہ آپ لوگوں نے اپنے زعم باطل میں معارف قرآن۔ نظام ربوبیت وغیرہ جس قدر مضامین لکھے ہیں۔ آپ کے نزدیک وہ معانی قرآن کا بیان اور مطالب قرآن کی تفسیر ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی قرآن میں مذکور نہیں۔ بلکہ ہر بات قرآن کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود بھی آپ انہیں قرآن کے معارض قرار دینے کی بجائے بیان معانی کتاب اور تفسیر قرآن سمجھتے ہیں۔ لیکن اس تفسیر و توضیح کو جو خود صاحب قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الٰہی سے بیان فرمائی۔ اُسے قرآن کے معارض اور اللہ تعالیٰ پر افترا و بہتان قرار دیتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

دوسری دلیل کا جواب (۲) مخالفین کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے۔ کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں رجم محصن کا منقول ہونا تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ اور اسکی شہرت میں تو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ تعجب ہے۔ کہ منکرین سنت جس تواتر اور تعامل مومنین کی بنا پر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی تواتر و تعامل مومنین سے ایسے احکام شرعیہ بھی ثابت ہیں۔ جنہیں زائد از قرآن کہہ کر قرآن مجید کے معارض کہا جا رہا ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شقاق و اختلاف کی یہی صورت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کی سنن کریمہ و احادیث شریفہ کے ساتھ اختلاف کیا جائے۔ اسی شقاق و اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے غیر سبیل المومنین سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اسے اختیار کرنے والوں کے حق میں نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا کی وعید شدید نازل فرمائی ہے۔

ابتدائے اسلام سے اب تک امت مرحومہ کا سنن کریمہ پر عمل پیرا ہونا اور عہد رسالت سے لے کر آج تک رجم محصن کو حکم شرعی تسلیم کرنا ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے۔ جس کا انکار مسلم تو کیا غیر مسلم بھی نہیں کرسکتا۔ حیرت ہے۔ کہ مخالفین سنت نے اس تعامل مسلین کی راہ (سبیل مومنین) سے اعراض ہی نہیں کیا۔ بلکہ اُسے قرآن کے معارض و منافی قرار دے کر پورے دین اور تمام احکام شرعیہ کو پس پشت ڈال دیا۔

رجم کا عقوبتِ زنا ہونا انبیاء علیہم السلام اور تمام ادیان سماویہ کا اجماعی مسئلہ ہے

رجم کا زنا کی سزا ہونا صرف امت محمدیہ کے نزدیک نہیں بلکہ امم سابقہ اور جماہیر انبیاء کرام و شرائع سماویہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اور یہ مسئلہ تمام ادیان سماویہ اور امم سابقہ و انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ واعلم انہ کان من شریعۃ من قبلنا القصاص فی القتل والرجم فی الزنا والقطع فی السرقۃ فہذہ الثلث کانت متوارثۃ فی الشرائع السماویۃ واطبق علیہا جماہیر الانبیاء والامم (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ طبع مصر)

مسئلہ رجم کا تمام شرائع سابقہ، ادیان سماویہ اور امم ماضیہ و جماہیر انبیاء سابقین علیہم السلام کے نزدیک اتفاقی ہونا پھر امت محمدیہ کا اُسے بالاتفاق تسلیم کرنا۔ اور اس پر عمل پیرا رہنا کیا اس امر کی قطعی دلیل نہیں۔ کہ تعامل مسلمین و سبیل مومنین از روئے قرآن کریم یہی ہے۔ کہ رجم کو زنا کی سزا اعتقاد کیا جائے۔

اور ظاہر ہے۔ کہ قرآن مجید کتب سابقہ و شرائع سماویہ پر مھیمن اُن کا نگہبان اور محافظ ہے۔ جس کا مقادیہ ہے کہ کتب سابقہ و شرائع سماویہ کے وہ تمام احکام جو متوارث چلے آئے ہیں اور اُن کے حق میں کسی دلیل شرعی سے نسخ ثابت نہیں ہوا قرآن مجید اور شریعت محمدیہ میں موجود ہیں۔ اختلاف نوعیت اور اجمال و تفصیل کا فرق بجائے خود ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ قرآن کا مھیمن ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے۔ کہ جمیع احکام مذکورہ سابقہ خواہ کسی نوعیت میں ہوں۔ اجمال یا تفصیل کے ساتھ قرآن میں موجود ہیں۔ یہ علیحدہ امر ہے۔ کہ جو مسائل قرآن میں مجمل تھے۔ حدیث نے اُن کی تفسیر کردی۔ بہر نوع ہماری مقدس کتاب اور ہماری شریعت مھیمن ہونے کی وجہ سے سب کی جامع اور اُن پر نگہبان و نگران ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد اگر یہ کہہ دیا جائے۔ کہ الزانیۃ والزانی کے عموم کی تخصیص اس وحی الٰہی نے کردی۔ جس میں رجم کا حکم نازل کیا گیا۔ جس طرح ایک آیت دوسری آیت کے لئے مخصص ہوسکتی ہے۔ اسی طرح غیر متلو وحی بھی دوسری وحی کے لئے مخصص قرار پاسکتی ہے۔ متلو اور غیر متلو کا فرق یہاں اثر انداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس باب میں جو چیز اصل ہے۔ وہ وحی الٰہی ہے۔ متلو ہو یا غیر متلو۔

از روئے قرآن مأۃ جلدہ کا حکم عام نہیں

منکرین سنت کا یہ دعویٰ کہ الزانیۃ والزانی میں عموم قطعی ہے اور ہر زانی اور زانیہ کا حکم مائۃ جلدۃ ہے۔ خود قرآن کی روشنی میں باطل محض اور مردود ہے۔

منکرین سنت بتائیں۔ کہ شادی شدہ یا نذی جو زنا کی مرتکب ہو۔ الزانیۃ والزانی کے عموم میں داخل ہے یا نہیں۔ برتقدیر ثانی انہوں نے خود اپنے قول کی تکذیب کردی۔ اور برتقدیر اول ان کے حق میں مائۃ جلدۃ کی بجائے اس کا نصف عذاب ہونا۔ آپ کے قول کو مردود قرار دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ نصف مائۃ مائۃ نہیں۔ پھر آپ ہی بتائیں۔ کہ مائۃ جلدہ کا حکم ہر زانی اور ہر زانیہ کے لئے کس طرح عام رہا؟

اگر یہ کہا جائے۔ کہ فعلیھن نصف ما علی المحصنات نے پہلی آیت الزانیۃ والزانی کو خاص کردیا۔ تو میں عرض کروں گا۔ کہ جیسے وحی میں اللہ تعالیٰ نے رجم کا حکم نازل فرمایا۔ اس نے آیۃ سابقہ کے عموم کو اسی طرح خاص کردیا۔ جیسا کہ آپ نے فعلیھن نصف ما علی المحصنات سے تخصیص کا قول کیا ہے۔ اور یہ بات ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔ کہ رجم محصن کے حکم شرعی کی نقل تواتر معنوی سے کم نہیں ایسی صورت میں اگر روایات رجم بھی عموم آیت کے لئے مخصص ہو جائیں۔ تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے؟

تیسری دلیل کا جواب منکرین سنت کی تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ ثبوتِ رجم پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں، اس لئے وہ باطل ہے۔

اس کا مفصل جواب بیان سابق میں آچکا۔ ہم نے ابھی عرض کیا۔ کہ (۱) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر عمل فرمانا"۔

رجم تواتر سے منقول ہے (۲) "عہد رسالت سے لے کر آج تک اس کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا" جیسا کہ ابو بکر رازی نے کہا۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۶ صـ۱۴۱ کہ رجم کو ابوبکر و عمر و علی و جابر بن عبد اللہ۔ ابو سعید خدری و ابو ہریرۃ۔ بریدہ اسلمی و زید بن خالد اور ان کے ماسوا بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے روایت کیا۔ اور صحابہ کرام سے تابعین نے اور تابعین کے بعد بغیر کسی انقطاع کے ہر زمانہ کے کثیر بن اجلۂ خیار امت عقوبۃ زنا میں رجم کو نقل کرتے چلے آئے اور نقل و روایۃ کا یہ سلسلہ آجتک برابر چلا آرہا ہے۔ خوارج کے انکار سے اس کا معارضہ قطعاً باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ وہ اس کے اہل نہیں کہ ان کے اقرار یا انکار کو دین متین میں کوئی اہمیت دی جائے۔ ثانیاً اس لئے کہ جس قوت بلکہ تواتر کے ساتھ رجم کا ثبوت منقول ہے۔ اس کا تصور بھی انکار خوارج کی نقل میں نہیں ہو سکتا۔ محض تاریخی روایت کی حیثیت سے خوارج کا انکار نقل کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کمزور طریق نقل اس تواتر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ جیسے ہم ثبوت میں پیش کر چکے ہیں۔

(۳) "اسلام کی پوری تاریخ میں اس پر تعامل مسلمین کا پایا جانا" صرف یہی نہیں بلکہ (۴) "جماہیر انبیاء علیہم السلام، امم سابقہ و شرائع سماویہ سب کا اجماع و اتفاق۔ حتیٰ کہ (۵) باوجود تحریف و تبدیل

کے توراۃ میں آیتہ رجم کا ہونا" ایسے امور ہیں۔ کہ ان میں سے ہر ایک ثبوتِ رجم پر مستقل دلیل ہے۔ لیکن حیرت ہے۔ کہ منکرین سنت کو ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی نظر نہیں آتی۔

چوتھی دلیل کا جواب مخالفین سنت کی چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت کے لئے زنا کی سزا رجم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے قول" فعلیہن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" کے خلاف ہو گی۔ اِس لئے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ باندیوں کی سزا" محصنٰت" کی سزا سے نصف مقرر فرمائی ہے۔ اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جبکہ محصنٰت (یعنی آزاد شادی شدہ عورتوں) کی سزا رجم کے بجائے سو کوڑے ہوں۔ کیونکہ سو کوڑوں کی تنصیف پچاس کوڑوں کے ساتھ ممکن ہے۔ مگر رجم کی تنصیف کسی طرح ممکن نہیں۔ معلوم ہوا کہ رجم کا قول قرآن پاک کے خلاف اور اسکے معارض ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہاں" محصنٰت" سے شادی شدہ عورتیں مراد نہیں بلکہ" کنواری آزاد عورتیں" مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ" فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" کا مطلب یہ ہے کہ باندیاں جب تک منکوحہ ہونے کے باوجود فاحشہ کی مرتکب ہوں تو اُن پر" کنواری آزاد عورتوں" کے عذاب کا نصف (عذاب) ہے۔ اور" کنواری آزاد عورتوں" کا عذاب" مأۃ جلدۃ" (سَو کوڑے) ہیں لہٰذا" نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" سے پچاس کوڑے مراد ہوئے۔ یہاں رجم کا موقعہ ہی نہیں جہاں تنصیف کا استحالہ موجب اعتراض ہو سکے۔

احصان تزویج میں منحصر نہیں رہا یہ امر کہ" محصنٰت" صرف شادی شدہ عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ کنواری عورتیں محصنٰت نہیں ہو سکتیں۔ تو میں عرض کروں گا۔ کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ احصان تزویج میں منحصر ہو۔ بلکہ تزویج کے علاوہ اسلام، عفاف اور حریتہ سے بھی احصان ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ۔ " احصان" کے اصل معنی" منع" ہیں" عورت" اسلام، عفاف، حریتہ اور تزویج (سب کے ساتھ) محصنہ ہو سکتی ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

" واصل الاحصان المنع۔ والمرأۃ تکون محصنۃ بالاسلام والعفاف والحریۃ والتزویج"

لسان العرب جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۰

اِسی طرح تاج العروس شرح قاموس جلد ۹ صفحہ ۱۷۹)، مجمع بحار الانوار جلد اول صفحہ ۲۷۳)، مفردات امام راغب صفحہ ۱۲۰) ودیگر کتب معتبرہ فی اللغتہ میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ نیز کتب تفاسیر بھی ان تصریحات سے مملوٴ ہیں۔ روح المعانی میں اسی آیتہ کے تحت ہے۔

" نصف ما علی المحصنٰت ای الحرائر الابکار" پ ۵ صفحہ ۱۰)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح فرمایا۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد سوم ص(۲۹۵)
پھر یہ کہ خود قرآن مجید میں لفظ "محصنٰت" غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کے لئے وارد ہے
اسی آیۃ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات" یعنی تم میں سے جو شخص حرائر (آزاد) ایمان والی عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ آپس کی مملوکہ ایمان والی باندیوں سے نکاح کرلے۔ یہاں "المحصنٰت" سے قطعاً غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہی مراد ہیں۔ غیر شادی شدہ اس لئے کہ یہاں ان سے نکاح کرنے کا ذکر ہے۔ شادی شدہ خاوند والی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور آزاد اس لئے کہ انکے بجائے باندیوں سے نکاح کا حکم دیا جارہا ہے۔
تعجب ہے کہ منکرین سنت کو قرآن کریم کی یہ روشن تصریح بھی نظر نہ آئی ورنہ وہ "فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" سے استدلال کی جرأت نہ کرتے۔

پانچویں دلیل کا جواب مخالفین سنت کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ انسان کو سنگسار کرنا اس مہذب معاشرہ میں سخت بے رحمی اور بربریت کا مظاہرہ ہے۔ اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ جس قوم کی اصطلاح میں بے حیائی کا نام تہذیب ہو اس کے نزدیک فاحشہ کی سزا بے رحمی اور وحشت و بربریت ہی کہلائے گی۔

اے کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھتے کہ انسان کا شادی شدہ ہونا اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ اور "احصان بالتزویج" گویا اس کی پاکدامنی کے لئے ایک حصن حصین اور مضبوط قلعہ ہے۔ ایسا محصن جب فاحشہ کا مرتکب ہو کر کسی کی آبرو ریزی کرتا ہے۔ تو صرف یہ نہیں۔ کہ اس نے انسانی عفت کے دیوارِ آبدار کو شکستہ کر ڈالا۔ بلکہ اس سے پہلے اس نے خود اپنے حصار عفت کو سنگہائے معصیت سے ریزہ ریزہ کر دیا۔ ایسے شخص کی سزا کا سنگساری سے کم ہونا اسلامی معاشرہ میں انسانی ناموس کے ساتھ سخت بے رحمی اور انتہائی وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہے۔

حکم رجم قرآن کی تفسیر و تبیین ہے اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "رجم محصن" کا حکم قرآن کے خلاف نہیں بلکہ مقتضائے قرآن کے عین مطابق اور مراد خداوندی کی تفسیر و تبیین ہے۔
یہ بات سمجھنے کے لئے اس امر پر غور کیجئے کہ از روئے قرآن اتحاد نوعیت فعل کے باوجود فاعل کی نوعیت مختلف ہونے سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

شرعی حسن وقبح کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔ طاعتہ اور معصیتہ، قرآن مجید کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس باب میں دونوں قسم کے افعال یکساں ہیں۔ "طاعتہ" کے ضمن میں بطور مثال اقامتہ صلوٰۃ اور ادائے صوم کو سامنے رکھ لیجئے۔ دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ نمازی کی نوعیت کا اختلاف "اقامتہ صلوٰۃ" کے احکام کو مختلف کر دیتا ہے اور "روزہ دار" کی نوعیت کے اختلاف سے ادائے صوم کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر نمازی مقیم ہے تو پوری نماز ادا کرے گا مسافر ہے تو قصر کرے گا۔ مریض کی نماز کے احکام تندرست کی نماز کے احکام سے مختلف ہیں معذور کے احکام غیر معذور کے احکام سے جدا گانہ۔

اسی طرح مقیم غیر معذور مکلف پر روزہ نہ رکھنا حرام ہے لیکن مسافر و معذور کے لئے جائز ہے علیٰ ہٰذا القیاس افعال معصیت کو بھی آپ اسی طرح پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنواری آزاد عورت کے جرم فاحشہ کی سزا سو کوڑے مقرر فرمائے ہیں لیکن (کنواری یا) شادی شدہ باندی اگر اسی فعل کی مرتکب ہو تو اس کی سزا پچاس کوڑوں سے زائد نہیں جیسا کہ قرآن مجید کی روشنی میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

غور کیجئے! جرم دونوں کا یکساں ہے۔ لیکن مجرم کی نوعیت کے اختلاف کے باعث حکم مختلف ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن کا مقتضیٰ اور آیتہ قرآنیہ "فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" کا مفہوم یہی ہے۔ کہ "فعل کا حکم، فاعل کی نوعیت کے مطابق" اور "جرم کی سزا مجرم کے حسب حال" ہونی چاہیئے۔ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ شادی شدہ آزاد مرد یا عورت کی یہ سزا غیر شادی شدہ سے مختلف ہونا ضروری ہے۔

لیکن یہاں ایک ابہام تھا۔ وہ یہ کہ تخالف کے مراتب بے شمار ہیں، مطلق اختلاف یہاں معتبر نہیں ورنہ حرہ اور مملوکہ کی طرح مرد اور عورت کی عقوبتہ میں بھی اس کا اعتبار ہوتا۔

پھر یہ کہ حکم کے مختلف انواع بھی حد احصاء سے باہر ہیں کسی آیتہ قرآنیہ سے واضح نہیں ہوتا کہ اختلاف کس مرتبہ میں شرعاً معتبر ہے۔ اور اختلاف پائے جانے کی صورت میں احکام مختلفہ کی کونسی نوع مراد الٰہی ہے۔ اسی اجمال و ابہام کی تفسیر و تبیین کے لئے عقوبتہ رجم کا بیان سنت میں وارد ہوا جو بموجب ارشاد خداوندی "وما ینطق عن الھویٰ ان ھوا الا وحی یوحیٰ" یقیناً وحی الٰہی ہے"

قرآن مجید سے رجم کی تائید مزید | علاوہ ازیں قرآن مجید کی روشنی میں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے۔ کہ اگر

کسی صاحبِ فضیلت کے حق میں ارتکابِ فاحشہ متصور ہو تو اُس کی سزا زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ یانساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا۔ اس آیت کا یہ مفہوم متعین ہے کہ "فضیلت" "زیادۃ عقوبۃ" کا موجب ہے۔

"احصان بالتزویج" (شادی شدہ ہونا) جیسا کہ ابھی عرض کیا "حصارِ عفت" ہونے کے باعث غیر شادی شدہ کے مقابلہ میں یقیناً فضیلت ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ (مفہوم نص کے مطابق) محصن کی سزا غیر محصن سے زیادہ ہو۔ مگر نص قرآنی میں "نوعیت زیادۃ" مبہم تھی جسے دور کرنے کے لئے احکام رجم کی تفصیلات نازل فرمائی گئیں۔ لہٰذا احادیث رجم قرآن کے خلاف نہیں بلکہ اُسی کی تفسیر و تبیین ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہہ لیجئے کہ "ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" کا مصداق احکام رجم کی تعلیم ہے۔ جسے قرآن کے مخالف و منافی کہنا علوم قرآن سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

مخالفین سنت کے شکوک وشبہات کا ازالہ مخالفین کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں صرف قرآن پر عمل کرنے اور اسی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صاف لفظوں میں من دون اللہ کی اتباع سے بصیغۂ نہی ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء۔ اس آیت میں من دون اللہ کی اتباع سے منع کیا گیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ رسول بھی من دون اللہ میں داخل ہیں۔ لہٰذا ان کی اتباع بھی شرک قرار پائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ منکرین سنت اپنے مرکز ملت کی اطاعت کو اسی طرح فرض جانتے ہیں جیسا کہ ان کے نزدیک خدا کی اطاعت فرض ہے۔ ایسی صورت میں یہ آیت خود ان کے خلاف قوی حجت ہے۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں۔ کہ ان کا مرکز ملت اللہ ہے یا من دون اللہ؟

انبیاء و اولیاء علیہم السلام "من دون اللہ" میں شامل نہیں حقیقت یہ ہے کہ منکرین سنت، خوارج کی راہوں پر چلے ہیں جس طرح انہوں نے من دون اللہ کی تمام آیات کو انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین پر چسپاں کیا اسی طرح یہ لوگ بھی اللہ کے مقدس رسول کو "من دون اللہ" میں شامل کر کے ان کی اتباع کو ناجائز اور شرک قرار دے رہے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ من دون اللہ میں انبیاء کرام اور اللہ کے عباد مخلصین قطعاً شامل نہیں، قرآن کریم میں کہیں یہ لفظ اللہ کے رسولوں یا ولیوں کے حق میں وارد نہیں ہوا۔ اللہ کے رسول اور اس کے عباد مخلصین اللہ تعالیٰ

کے داعی ہوتے ہیں پھر کیونکر ممکن ہے۔ کہ قرآن مجید ان کو مخالف پارٹی میں شمار کرے۔
اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔
بعض دیگر آیات سے بھی منکرین حدیث اس بات پر دلیل لاتے ہیں۔ کہ قرآن کے سوا کسی اور چیز کی اتباع جائز نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اتبع ما اوحی الیک من ربک دوسری جگہ فرمایا فاستقم کما امرت، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقولہ اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا ان اتبع الا ما یوحیٰ الی ان آیات کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے سوا کسی چیز کی اتباع جائز نہیں۔ اس لئے حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔
اس قسم کی تمام آیات سے ان کے استدلال کا جواب یہ ہے۔ کہ امر الٰہی اور وحی خداوندی جس کی اتباع کا حضور کو حکم دیا گیا ہے۔ قرآن میں منحصر نہیں، بلکہ تمام ارشادات رسالت امر الٰہی اور وحی خداوندی ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں۔
منکرین حدیث کا ایک قوی شبہ یہ بھی ہے کہ حدیث ظنی ہے۔ اور ظن کی قرآن مجید میں مذمت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔
اور دوسری جگہ فرمایا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ (النجم)

اتباع ظن مطلقاً مذموم نہیں اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اتباع ظن مطلقاً مذموم نہیں، قرآن مجید میں جہاں اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ وہاں وہ ظن مراد ہے۔ جو حق کے مقابل اور اس کے معارض ہو اور ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ احادیث صحیحہ ثابتہ قرآن کے معارض نہیں بلکہ اس کی تفسیر و مبین ہیں۔
پھر یہ کہ تمام احادیث کو ظنی کہنا باطل ہے۔ متواتر اور مشہور حدیثیں مفید قطع و یقین ہیں جیسا کہ ارکان اسلام کی توضیح و تفسیر اسی قسم کی احادیث میں وارد ہے۔
منکرین حدیث سنت نبوی کی عداوت میں تمام اخبار و روایات غیر متواترہ کو ظنی قرار دے کر ان کے خلاف وہ سب آیات قرآنیہ پیش کر دیتے ہیں۔ جن میں اتباع ظن کی ممانعت اور مذمت وارد ہوئی ہے۔ لیکن ان کا یہ حملہ صرف سنت پر نہیں، بلکہ براہِ راست قرآن پر اس کی زد پڑتی ہے۔ اس لئے کہ از روئے قرآن تبلیغ و تعلیم انذار و تبشیر عبادات و معاملات نکاح و طلاق، حتیٰ کہ (بجز زنا کے) حدود و قصاص میں بھی ثبوت کے لئے محض دو شہادتیں کافی ہیں، صرف حدِّ زنا کے لئے قرآن مجید نے چار شہادتوں کو ضروری قرار دیا ہے، شاید

اس لئے کہ یہ ایسا جرم ہے۔ جس کے ثابت ہو جانے کے بعد صرف ایک نہیں بلکہ دو انسانی جانیں دردناک عقوبت ہلاک کی سزاوار ہو سکتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ دو یا چار سے تواتر کا عدد پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے منکرین حدیث کے نزدیک وہ بینہ اور شہادات بھی (معاذ اللہ) مذموم اور ناقابل اعتبار قرار پائیں گی جنہیں قرآن مجید نے حجت اور معتبر قرار دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حجیت خبر واحد | خبر واحد کا حجت ہونا قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے ثابت ہے۔

(۱) یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا (حجرات)

اس آیت کا مفاد یہ ہے۔ کہ فاسق کی خبر بھی مطلقاً مردود نہیں کیونکہ ایسی صورت میں تبیین کی بجائے اس کے رد کرنے کا حکم دیا جاتا۔

(۲) وشھد شاھد من اھلھا۔ اس آیت میں شاہد کا لفظ واضح طور پر بتا رہا ہے۔ کہ ایک کی شہادت بھی فی الجملہ معتبر ہو سکتی ہے۔

(۳) وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعیٰ، الیٰ قولہ انی اٰمنت بربکم فاسمعون ط (یٰسٓ)

ایک مرد کی بات کا قابل اعتبار ہونا اس آیت سے صاف واضح ہو رہا ہے۔

منکرین حدیث کے مسلک پر خبر واحد کی حجیت کا انکار عجیب مضحکہ خیز ہے۔ ان کے نزدیک نزول قرآن اور اس کی تلاوت تک نبوت و رسالت کا منصب اس کے لئے رہتا ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد وہ عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہے۔ ایسی صورت میں نزول قرآن اور اس کی تلاوت کے بعد رسول کا یہ کہنا بھی معتبر نہ ہوگا۔ کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اس لئے کہ وہ خبر واحد ہے اور منکرین سنت کے نزدیک خبر واحد حجت نہیں، تو کیا یہ مضحکہ خیز بات نہ ہوگی کہ خبر واحد کی حجیت کے انکار سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت بھی اسی انکار کی نذر ہو کر رہ گیا۔

آیات منقولہ کے علاوہ اور آیات بھی خبر واحد کی حجیت پر روشن دلالت کرتی ہیں، جنہیں بخوف طوالت ہم نے نقل نہیں کیا،

ضعیف اور موضوع حدیثیں | انکار حجیت حدیث کی تائید میں مخالفین سنت ضعیف اور موضوع حدیثوں کا سہارا لیتے ہیں، اور اس قسم کی روایات چن چن کر امت مسلمہ کو مورد الزام قرار دیتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ تفصیلاً ان پر کلام کیا جائے۔ اصولی طور پر ہم اسکا

جواب یہ دیں گے۔ کہ قائلین سنت کے نزدیک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی چیز ہے جسے امتِ مسلمہ نے سنت رسول جان کر قبول کیا اور اسے اپنے دینی عقائد و اعمال کا سنگِ بنیاد بنایا۔ اس کے علاوہ جو چیزیں ان کے نزدیک باطل و مردود اور غیر ثابت ہیں وہ اسے سنت مانتے ہی نہیں، ایسی صورت میں انہیں ملتزم قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

احادیث کا اختلاف اور ان کا باہمی تعارض | قائلین سنت پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے۔ کہ احادیث میں تعارض ہے۔ لہٰذا وہ قابل قبول نہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے۔ کہ صحیح اور ثابت حدیثوں میں اگر تعارض ہے تو وہ محض ظاہری تعارض ہے۔ اس قسم کا صوری اور ظاہری تعارض قرآن مجید کی بعض آیات میں منکرین قرآن پیش کیا کرتے ہیں، فما جوابکم فھو جوابنا،

بعض روایات عقل اور فلسفہ کے خلاف ہیں | اس اعتراض کا منشا بھی قلت تدبر ہے میں دریافت کرتا ہوں کیا بعض آیات قرآنیہ کو مخالفین قرآن نے عقل و فلسفے کے خلاف قرار نہیں دیا؟ جیسے جریان شمس و قمر بنائے سمٰوات سکون ارض وغیرہ بے شمار آیات کو جھلانے عقل و فلسفے کے خلاف کہا۔ آپ کے اس قول کی نوعیت منکرین قرآن کے قول کی نوعیت سے مختلف نہیں، جس طریقے سے آپ انہیں جواب دیں گے۔ اسی طریقے سے ہم بھی آپ کی خدمت میں معروضات پیش کریں گے، اے کاش تفصیل کا موقع ہوتا تو ہم ان سب جزئیات پر الگ الگ بحث کرتے۔ انشاء اللہ دوسری کسی فرصت میں یہ خدمت بھی انجام دی جائے گی۔

احکام ثابتہ بالسنتہ اسی زمانے کے تقاضوں کے موافق تھے | منکرین حدیث کا آخری حربہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے علاوہ جو احکام صادر فرمائے وہ ہمیشہ کے لئے نہ تھے بلکہ ایک مخصوص زمانے تک قابل عمل تھے۔ وقتی تقاضوں کے بدلنے سے وہ قابل عمل نہیں رہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جن احکام کا کوئی زمانہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مقرر ہو یا ان کا کسی وقت معین تک واجب العمل ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو ان کا معمول بہا نہ ہونا عصری تقاضوں کے بدلنے پر مبنی نہیں۔ بلکہ صاحب شرع کے امر پر مبنی ہے۔ منکرین سنت کا احکام ثابتہ بالسنتہ کو مطلقاً ناقابل عمل کہہ دینا انتہائی بے باکی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف سنت ہی کے بارے میں یہ نظریہ نہیں رکھتے۔ بلکہ قرآن کے متعلق بھی ان کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ "نظام ربوبیت" کے ایک مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ "صدقات و میراث بلکہ حدود و قصاص تک جتنے احکام قرآن میں وارد ہیں وہ سب عبوری دور کے لئے ہیں۔ یعنی ہمیشہ کے لئے قابل عمل نہیں"۔ "ملخصاً" (نظام ربوبیت صفحہ ۲۲۸)

اسلامی نظام منکرین حدیث کے نزدیک ناقابلِ عمل ہے اس لئے کہ اسلام ایک ایسے نظام کو لانا چاہتا ہے۔ جس میں کوئی بھوکا نہ ہو۔ نہ کوئی چور ہو نہ بدمعاش نہ زانی ہو نہ قاتل جب تک یہ نظام قائم نہیں ہوتا اُس وقت تک صدقات کے احکام پر عمل کیا جاتا ہے۔ فقراء کو اسی وقت تک صدقات دیئے جائیں گے جب تک ان کا وجود باقی رہے گا۔ اسی طرح حدِ سرقہ حدِ قذف حدِ زنا اور قصاص تمام احکام اسی وقت تک قابلِ عمل ہیں جب تک کہ اسلامی نظام برپا نہیں ہوتا، جس وقت نظامِ اسلامی قائم ہوگیا۔ یہ تمام احکام ناقابلِ عمل ہوکر رہ جائیں گے، جب کوئی فقیر نہ ہوگا۔ تو صدقہ کسے دیا جائے گا۔ جب کوئی چور، زانی اور قاتل نہ ہوگا کس طرح حدود وقصاص پر عمل کیا جائے گا۔

اس کا مفصل جواب تو اطالتِ کلام کا مقتضی ہے۔ مختصر طور پر ہم عرض کریں گے۔ کہ بے شک اسلام یہی چاہتا ہے۔ کہ کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ نہ کوئی جرائم کا مرتکب ہو لیکن یہ تشریعی تقاضا ہے اور دنیا میں فقراء اور محتاج قسم کے لوگوں کا پایا جانا جرائم کا ارتکاب امرِ تکوین سے متعلق ہے اور تشریع کا تکوین کے عین مطابق ہونا ضروری نہیں۔ قرآن مجید میں یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کو نظرِ بد سے محفوظ رہنے کے لئے ایک تدبیر بتانا تشریع سے متعلق تھا۔ لیکن امرِ تکوین کا ظہور اس کے خلاف ہوا۔ جس پر قرآن ناطق ہے۔ مختصر یہ کہ منکرین حدیث کا یہ سمجھ لینا کہ تشریعی تقاضے تکوین کے مطابق ہوسکیں گے۔ انتہائی نافہمی ہے۔ اور اسی نافہمی کی بنیاد پر ان کا یہ قول مبنی ہے۔ کہ قرآن کے یہ احکام عبوری دور کے لئے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ اسلام جس نظام کا داعی ہے وہ کبھی برپا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تکوینی تقاضوں کے پیشِ نظر یہ ممکن ہی نہیں کہ دنیا میں طبقاتی تفاوت باقی نہ رہے۔ یا کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوتے پائے۔ وجودِ انسانی کی تاریخ میں ایسا کوئی دور پیش نہیں کیا جاسکتا جس میں طبقات اور افعال واعمال کا تفاوت منتفی ہوا ہو منکرین حدیث کے اس مزعومہ کو تسلیم کرلینے کے بعد یہ بات بھی ماننی پڑے گی۔ کہ اسلام جس نظام کو لانا چاہتا ہے وہ قابلِ عمل نہیں۔ اور اگر وہ قابلِ عمل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں وہ اسی نوعیت سے برپا ہوجاتا۔ جس نوعیت سے منکرین حدیث اسے پیش کر رہے ہیں۔ اس نظریہ کا بطلان ادنیٰ سمجھ رکھنے والے کے سامنے بھی ظاہر ہے۔ وہ بلا تامل اتنی بات بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب (معاذ اللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسلامی نظام اپنے مبارک زمانے میں قائم نہ کرسکے۔ تو قیامت تک کوئی شخص اس نظام کو برپا نہ کرسکے گا

دو سو برس کے بعد احادیث کے ذخیرے جمع ہوئے منکرین سنت کا بنیادی شبہ ایک بہت پرانا فرسودہ لیکن

بنیادی اعتراض منکرین سنت کی طرف سے یہ ہوتا ہے۔ کہ کتب احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک سے دو سو سال کے بعد جمع کی گئیں اس لئے وہ نا قابل اعتبار ہیں۔
افسوس ہے کہ تفصیل کی گنجائش نہیں مجبوراً اجمال واختصار پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ اس اعتراض کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ حدیث کا وجود کتابی شکل پر موقوف ماننا انتہائی بے بصری کی دلیل ہے۔ کتابی شکل پر دار و مدار رکھ لیا جائے تو قرآن مجید کے متعلق بھی یہ کہا جا سکے گا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات شریفہ سے تیس سال بعد موجودہ مصحف مقدس کی صورت میں قرآن پاک جمع ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول قرآن کے ساتھ قرآن مجید کا ایک ایک حرف لکھوا دیا تھا۔ لیکن کتابی صورت میں اس کا وجود کسی قوی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے وجود کو کتابی صورت پر موقوف سمجھنا غلط ہے۔

تاریخ حدیث کی ایک جھلک جیسا کہ ہم قرآن مجید کی تصریحات پیش کر چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، تعلیمات مقدسہ، اقوال وافعال، اور احوال شریفہ کی اتباع، پیروی، اور اطاعت، کا بار بار حکم دیا جس کا تحقق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال اور احوال شریفہ کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایک ایک ادا کو اپنے سینوں میں محفوظ کیا اور ہر مرحلے پر اسی کی اتباع کی دس ہزار صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنن کریمہ کو محفوظ کر کے ان کی روایت کرنے والے ہیں۔ جنھوں نے یہ امانت سنت کبار تابعین کرام کو پہنچائی اور کبار تابعین سے اوساط تابعین نے سنن کریمہ کا یہ ذخیرہ حاصل کیا۔ اوساط تابعین سے صغار تابعین نے اور صغار تابعین سے کبار اتباع تابعین اور ان سے اوساط اتباع تابعین نے احادیث مقدسہ کو روایت کیا، اوساط سے صغار نے اور صغار سے من بعدھم علمائے اعلام احادیث شریفہ کو روایت کرتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ امتِ مسلمہ میں آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔
عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ سے روایت کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں کسی مرحلے پر انقطاع پیش نہیں آیا۔ ہم اسی اتصال کو ظاہر کرنے کے لئے تاریخ حدیث پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ کہ جس ذخیرہ احادیث کو یہ کہہ کر نا قابل عمل کہا جاتا ہے۔ کہ وہ حضور علیہ السلام کے دو سو برس بعد معرضِ وجود میں آیا۔ وہ مدون ہونے سے پہلے صحابہ اور تابعین کے صدور میں اسقدر

محفوظ تھا۔ کہ اوراق کتب میں اس طرح سے محفوظ رہنا دشوار تھا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے ایک مخصوص گروہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق عطا فرمائی گئی۔ کہ وہ اپنے آپ کو روایت حدیث ہی کے لئے وقف کر دے۔ اور وہ مکثرین فی الروایت صحابہ کرام ہیں۔ جن کے اسماء گرامی مع سنین وفات و تعداد مرویات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ تعداد روایات ۵۳۷۴ (پانچ ہزار تین سو چوہتر)
(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفیہ ۵۹-۵۸-۵۷-۴۹ھ ۲۲۱۰ (بائیس سو دس)
(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ ۱۶۶۰ (سولہ سو ساٹھ)
(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴-۷۳-۷۰ھ ۱۶۳۰ (سولہ سو تیس)
(۵) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ ۱۵۴۰ (پندرہ سو چالیس)
(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ ۱۲۸۶ (بارہ سو چھیاسی)
(۷) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴-۶۴-۶۳ھ ۱۱۷۰ (گیارہ سو ستر)

حضرات صحابہ کرام مختلف شہروں اور مرکزی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور تابعین کرام کا بھی یہی حال تھا اکابر تابعین کرام (جن کا دور دور صحابہ ہے) نے صحابہ کرام سے روایت حدیث کی جن میں اعلیٰ درجہ پانے والے تابعین کرام کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) علقمہ بن قیس متوفی ۶۲ھ (۲) سعید بن المسیب متوفی ۹۳ھ (۳) عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ۔ عروہ بن زبیر نے سیرت نبوی پر احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا (۴) سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین سجاد) متوفی ۹۴ھ (۵) سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ (۶) ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ (۷) حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ (۸) ابن سیرین ۱۱۰ھ (۹) مجاہد ۱۰۴ھ (۱۰) قاسم بن محمد بن ابی بکر متوفی ۱۰۸ھ (۱۱) ہمام بن منبہ متوفی ۱۳۱ھ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے آج بھی موجود ہے (۱۲) سالم بن عبداللہ بن عمر متوفی ۱۰۶ھ (۱۳) نافع مولیٰ ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ (۱۴) ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۴ھ انہوں نے کتابی صورت میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا (۱۵) عطا بن ابی رباح متوفی ۱۱۵ھ۔

یہ سب کبار تابعین ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کا طویل زمانہ پایا اور ان سے سنت نبوی کا بہت بڑا ذخیرہ حاصل کر کے اپنے زمانے کے صغار تابعین کو پہنچایا۔

صغار تابعین کا گروہ ہزاروں کی تعداد میں دنیا اسلام میں پھیلا ہوا تھا ان حضرات نے

دور و دراز کے سفر کئے تابعین کبار اور مختلف صحابہ سے حدیثیں جمع کیں جن میں چند ممتاز حضرات حسب ذیل ہیں۔

(۱) جعفر بن محمد بن علی جن کا لقب جعفر الصادق ہے آپ کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی (۲) ربیعۃ الرائے (استاذ امام مالک متوفی ۱۳۶ھ (۳) عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر متوفی ۱۲۹ھ (۴) سعید بن ابی عروبہ متوفی ۱۵۶ھ (۵) الامام الاعظم ابو حنیفہ النعمان متوفی ۱۵۰ھ آپ کے متعلق تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ للسیوطی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۴۲ میں ہے۔ من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بہا انہ اول من دوّن علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم اتبعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطاء ولم یسبق ابا حنیفۃ احد۔

تابعین کرام کے جس مقدس گروہ کو سنت نبویہ کی یہ امانت پہنچی تھی۔ اس کے بعض اہل بصیرت حضرات کو محسوس ہوا۔ کہ اگر کتابی صورت میں احادیث کو مدون نہ کیا گیا۔ تو آنے والی امت اس نعمت عظمٰی سے محروم ہو جائے گی۔ چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۱ھ کی تحریک سے تدوین حدیث کا باقاعدہ کام شروع ہوا۔ ان مولفین میں ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ۔ امام اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ۔ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر محدثین کبار نے کتابی صورت میں احادیث جمع کیں۔ یہ مسلسل روایت حدیث کا سلسلہ تدوین حدیث کے مرحلے تک پہنچا۔ اور دوسری صدی کے اواخر تک کتب حدیث کے بکثرت مجموعے مرتب ہو گئے۔

تیسری صدی کے اوائل میں مسدد بن مسرہد متوفی ۲۱۸ھ۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۲۸ھ ابو بکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے مختلف موضوعات پر کتب حدیث تالیف کیں۔

مؤلفین مذکورین میں سے اگرچہ بعض کی تصانیف موجود نہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ تصانیف ضائع ہو گئیں، بلکہ ان کا پورا مواد ان کے ہم عصر محدثین اور بعد میں آنے والوں نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا۔ اس لئے لوگ ان سے مستغنی ہو گئے۔

اسی صدی میں امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ۔ امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ۔ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ۔ امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ۔ امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے

صحاح جوامع اور سنن تالیف فرمائیں۔ اور اس تیسری صدی کے اواخر تک تدوین حدیث کا کام نہایت خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ان کتب حدیث کو ان کے مصنفین سے ہزاروں علماء و محدثین آج تک روایت کرتے چلے آئے۔

عہدِ رسالت سے لے کر تیسری صدی تک قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں تدوین حدیث کی تکمیل ہوئی۔ اور اس پورے زمانے میں ایک آن کے لئے بھی روایت حدیث کا یہ سلسلہ منقطع ہونے نہیں پایا۔

اس اجمالی تاریخ حدیث سے منکرین حدیث کا یہ مغالطہ صاف ہو گیا۔ کہ احادیث کا مجموعہ اسلیئے قابل اعتبار نہیں۔ کہ وہ عہدِ رسالت سے دو سو برس بعد وجود میں آیا۔

اگرچہ یہ مضمون ابھی تک بہت تشنۂ تکمیل ہے۔ لیکن بخوفِ طوالت ہم اسے صرف اسی عنوان پر ختم کرتے ہیں۔ انشاء اللہ بوقتِ فرصت بقیہ متعلقہ عنوانات پر کچھ لکھیں گے۔

الشیخ والشیخۃ کا جواب منکرین حدیث مضحکہ خیز انداز میں یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ صحابہ کرام نے کہا۔ ہم قرآن میں ایک آیت پڑھا کرتے تھے جو اب اس میں موجود نہیں، اور وہ آیت یہ ہے۔ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ۔ اس کے جواب میں ہم عرض کرینگے کہ اس اعتراض کا مبنیٰ مسئلہ نسخ فی القرآن ہے۔ جسے طوالت سے بچنے کے لئے ہم نے سرِ دست نظر انداز کر دیا ہے۔ اس وقت صرف اتنی بات پر ہم اکتفا کرتے ہیں کہ بے شک بعض احادیث سے قرآن مجید میں نسخ فی التلاوۃ کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ہم کسی ایسی چیز کا قرآن ہونا اعتقاد نہیں کر سکتے جسکی قرآنیت تواتر سے ثابت نہ ہو اخبار آحاد اپنے مقام پر حجت ہیں۔ لیکن کسی خبر واحد سے کسی جملے کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے۔ کہ جس پر ساری امت کا اجماع ہے۔

رہی یہ روایت تو اس کے متعلق ہم اپنی تحقیق ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے۔ کہ ابنائے زمانہ ہم سے ضرور اختلاف کریں گے۔ لیکن لومۃ لائم سے بے خوف ہو کر ہم اس مسئلہ میں اپنا مسلک دلیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

الشیخ والشیخۃ الخ کوئی مستقل روایت نہیں بلکہ یہ ایک زیادت ہے جسے بعض محدثین نے ذکر کیا اور بعض نے اسے حذف کر دیا۔ ہمارے نزدیک یہ زیادت اسی قابل ہے۔ کہ یہ ساقط کیجائے اور اس کو حذف کر دیا جائے۔

بخاری شریف میں وہ اصل حدیث جس میں بعض محدثین نے اس زیادت کو روایت کیا (اس زیادت کے بغیر) مروی ہے۔ جس کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری فتح الباری

میں فرماتے ہیں کہ اسماعیلی نے جعفر الفریابی کی روایت سے علی بن عبد اللہ شیخ بخاری سے اس حدیث کا اخراج کیا۔ اور اس میں یہ زیادت بھی روایت کی وقد قرأنا الشیخ والشیخۃ اذا زینا فارجموھما البتۃ علامہ ابن حجر عسقلانی اس پوری روایت کے بعد فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

فسقط من روایۃ البخاری من قولہ وقرأ الی قولہ البتۃ ولعل البخاری ھو الذی حذف ذلک عمداً فقد اخرجہ النسائی عن محمد بن منصور عن سفیان کروایۃ جعفر ثم قال لا اعلم احداً ذکر فی ھذا الحدیث الشیخ والشیخۃ غیر سفیان و ینبغی ان یکون وھم فی ذلک انتہی (فتح الباری جلد ۱۲ ص۱۱۹) طبع مصر)

علامہ ابن حجر نے اسماعیلی کی وہ روایت نقل کی جس میں الشیخ والشیخۃ اذا زینا فارجموھما البتۃ کی زیادت موجود ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ بخاری کی روایت سے یہ پوری زیادت (وقد قرأنا سے لے کر البتۃ تک) ساقط ہو گئی پھر فرمایا شاید امام بخاری ہی نے اس کو عمداً حذف کر دیا۔ کیونکہ نسائی نے محمد بن منصور عن سفیان کے طریق سے اس روایت کا اخراج جعفر الفریابی کی روایت کی طرح کیا پھر انہوں نے کہا کہ میں کسی کو نہیں جانتا۔ جس نے اس حدیث میں الشیخ والشیخۃ کی زیادت کو ذکر کیا ہو سوائے سفیان کے، اور یہی کہنا مناسب ہے۔ کہ انہیں اس بارے میں وہم ہو گیا۔

علّامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنی بات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے بعد متصلاً فرماتے ہیں۔

(قلت) وقد اخرج الائمۃ ھذا الحدیث من روایۃ مالک و یونس ومعمر وصالح بن کیسان وعقیل وغیرھم من الحفاظ عن الزھری فلم یذکروھا وقد وقعت ھذہ الزیادۃ فی ھذا الحدیث من روایۃ الموطا عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیّب قال لما صدر عمر من الحج الحدیث (فتح الباری جلد ۱۲ ص۱۱۹و۱۲۰)

ملاحظہ فرمایئے آئمہ حدیث نے اس حدیث کا اخراج امام مالک، یونس، معمر، صالح بن کیسان اور عقیل، وغیرہم حفاظ حدیث کی روایت سے بطریق امام زہری کیا۔ لیکن اس زیادۃ (الشیخ والشیخۃ) کو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ زیادۃ مذکورہ روایت موطا سے صرف اس حدیث میں واقع ہوئی جو بطریق یحیی بن سعید عن سعید المسیّب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور سعید بن مسیّب کی سماع حضرت عمر سے مختلف فیہ ہے۔ علامہ ابن عبد البر مالکی نے تمہید میں کہا "وسماع سعید عن عمر مختلف فیہ" کما نبہناہ فی التمہید (اوجز المسالک جلد ۶ ص۲۴) اسی طرح

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "سعید بن المسیّب" کے ترجمہ میں فرمایا " روی عن ابیہ و عن عمرو اختلف فی سماعہ منہ اھ (میطا للسیوطی صہ ۱۹۳ طبع مصر)

علامہ ابن حجر صاحب فتح الباری نے اسی مقام پر حاکم کی روایت بھی ذکر کی ہے جس کے متعلق صاحب اوجز المسالک نے کہا "بسندہ الی سفیان" (والعہدۃ فی ذلک علی صاحب الاوجز) اوجز للسالک کی عبارت حسب ذیل ہے۔

مالک عن یحییٰ بن سعید الانصاری واخرجہ الحاکم فی المستدرک بسندہ الی سفیان ملاحظہ ہو جلد ۶ صہ ۲۴۲ اور سفیان کے بارہ میں اس زیادۃ کے متعلق امام نسائی کا یہ قول فتح الباری سے ابھی منقول ہو چکا ہے۔ وہ فرماتے ہیں " وینبغی ان یکون وھم فی ذٰلک "

علاوہ ازیں ان تصریحات کے ساتھ جب حاکم کا متساہل فی التصحیح ہونا بھی شامل کر لیا جائے تو صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں اس کی روایت (مع الزیادۃ) کا ثابت ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

سردست اتنا موقع نہیں۔ کہ ہم ان روایات اور اس زیادۃ کے متعلق "روایۃً" "درایۃً" کی روشنی میں مفصل کلام کریں۔ انشاءاللہ آئندہ کسی وقت تفصیل سے اس پر بحث کریں گے۔

مختصر یہ کہ علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ امام بخاری نے "الشیخ والشیخۃ" کی زیادۃ کو قصداً حذف کر دیا۔ اور امام نسائی کا یہ قول کہ میرے علم میں سفیان کے سوا کسی نے اس زیادہ کو ذکر نہیں کیا۔ اور سفیان کا اسے ذکر کرنا اُن کے وہم پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ زیادۃ فی الواقع ثابت نہیں۔ لہٰذا ایسی غیر ثابت، ناقابل ذکر زیادۃ کو ایک عظیم ترین الزام کی بنیاد قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

سید احمد سعید کاظمی امروہی غفرلہٗ